چوہدری نبی احمد باجوہ ایم اے

دلم خزینۂ رازِ دو عالم است ولے | بہ بے زبانیِ خویشم بہ گنجِ راز امیں
(غالبؔ)

ششِ جہاتِ غالبؔ

مرزا غالبؔ کے فارسی کلام کا ایک ہمہ جہتی انتخاب اور اُس کا

منظوم اردو ترجمہ

جسمیں غالبؔ کی ہر طرزِ ادا، ہر رنگِ بیان، ہر جدتِ فکر و
ہر ندرتِ خیال و جمال کو آشکار کرنے کے لئے مرزا کی فارسی شاعری کے
جہانِ شش جہات سے (۱) قطعات (۲) مثنویات (۳) غزلیات
(۴) رباعیات (۵) قصائد اور (۶) ترکیب بند کے شش گانہ ابواب و
طبقات یعنی جملہ اصنافِ سخن کے عمدہ اور چیدہ اقتباسات اردو ترجمے
کے ساتھ مصرع بہ مصرع، شعر بہ شعر اور نظم بہ نظم جلوہ گر ہیں۔

مؤلف و مترجم

چوہدری نبی احمد باجوہ ایم۔ اے

ناشر:-	آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس ۷۔ اے فرینڈز کالونی۔ ملتان روڈ۔ لاہور
تعداد:-	ایک ہزار
قیمت :-	
تاریخ اشاعت:	سنہ ۱۹۶۲ء

مطبوعہ

آفتاب عالم پریس لاہور

تقریظ

للہ الحمد کہ آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید!

خدا کا شکر ہے کہ کتاب چھپ جانے کے بعد ایک ہفتے کے اندر اندر ملک کے مایۂ ناز ادیب و نقاد اور تبصرہ نگار جناب سیّد صفدر جعفری پروفیسر شعبۂ لسانیات ایچی سن کالج لاہور نے از رہ خلوص و محبت ایک خط بذریعہ ڈاک ارسال فرمایا ہے۔ جس کو احقر بصد فخر و مباہات اپنی کتاب پر "اوّلین تبصرے" کی حیثیت سے یہاں درج کر رہا ہے:

چند سال پیشتر پروفیسر صاحب موصوف ایک انعام یافتہ کتاب "دبستان غالب" پر پیش لفظ لکھ کر غالب شناسی اور نکتہ رسی کا ثبوت بہم پہنچا چکے ہیں۔

قبلہ محترم چودھری صاحب!

سلام مسنون!

آپ میرے بزرگ اور مہربان ہیں۔ زندگی کی دشوار راہوں میں آپ کی شفقت نے مجھے بڑا سہارا دیا ہے۔ چھوٹا منہ اور بڑی بات، جسارت کی معافی چاہتا ہوں۔

"ششش جہاتِ غالب" ایک بار از اوّل تا آخر پڑھ چکا ہوں۔ بار بار پڑھوں گا اور استفادہ کرتا رہوں گا۔ اس کارِ عظیم پر آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں ؎

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم
میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا!

آپ نے غالب کی فارسی شاعری کو اُردو شاعری کے قالب میں اس خوبی سے ڈھالا ہے کہ رُوح کی تابانیاں برقرار ہیں۔ آپ کے منظوم ترجمے میں غالبؔ کی فارسی شاعری کا طمطراق ہر جگہ موجود ہے۔ "ششش جہاتِ غالب" کے بعد غالبؔ کی فارسی شاعری کو سمجھنا، سمجھانا اور اس سے لطف اندوز ہونا یقینی ہو گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

ناچیز کو دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

آپ کا مخلص

صفدر جعفری

شعبہ اُردو۔ فارسی
ایچی سن کالج۔ لاہور

ترتیب مضامین

خزانہ رازِ دو عالم کا دل مرا ہے مگر!
میں بے زبانی سے اس گنجِ راز کا ہوں امیں

در پردہ شکایت ز تو داریم و بیاں ہیچ
زخمِ دلِ ما جملہ دہانست و زباں ہیچ!
ایکہ بجز از ہرچہ بود در تماشائیں ہیچ!
نیست غیر از سیمیا عالم بہ سودائش ہیچ!

محرم رازِ نہاں روزگارم کردہ اند تا بجرم گرش نہ نہد خلق خوارم کردہ اند

ردیف خ ۹۴تا۹۵

آغاز ردیف دال

(یہاں غالب کی چار ایسی غزلیں درج ہیں جو گزشتہ سو برس تک کلیات میں داخل نہیں ہو سکی تھیں۔ ان چاروں میں پہلی غزل غالب کی آخری غزل شمار ہوتی ہے اس کا مطلع یہ ہے:

عجب کہ مژدہ دہاں ز رخ بسوئے ما آرند
کدام مژدہ کہ آرند واز کجا آرند! ۹۶

مطلع غزل دوم: بمقصدے کہ مرآں را رہِ خدا گویند
بمو برو کہ اناں سو بیا بیا گویند ۹۹

مطلع غزل سوم — جو کلیات کی آخری غزل ہے (بلحاظ ردیف)

مطلع غزل چہارم ؎ ہم انا اللہ گوئے درختے را بگفتار آورد
ہم انا الحق گوئے مردے را بسر دار آورد ۱۰۰

حصّہ دوئم ۱۲تا۵۳

دیباچہ نثر غالب سے ماخوذ تین نظمیں ۱۲تا۱۷

قطعات غالب کی ۱۵ متفرق نظمیں ۱۸تا۳۵

ایک حسنِ طلب کا دلچسپ قصہ ۳۶

ترکیب بند:

غالب کا مشہور زنداں نامہ/حبسیہ/اسیریہ
جو گزشتہ سو برس سے کلیات غالب میں شامل نہیں ہو سکا تھا ۴۴تا۵۳

محرم رازِ نہاں دہر کرتے ہی مجھے   خوار کر ڈالا کہ خلقت بات میری مت سُنے

(حصۂ سوم)

مثنویات

ترتیبِ نو   حصۂ چہارم

تصحیح نامہ

نمبر صفحہ		غلط	صحیح
۲۳	مصرعہ ۳	"خرد نے سنکر"	خرد نے وعدہ سنکر
۲۷	" ۶	شبانہ	مئے شبانہ
۳۸	آخری شعر	گذاشتم	گذاشتیم
۵۷	مصرعہ ۳	شاید	شاہد
۵۸	" ۲	اززد	ارزد
۶۰	تیسرا شعر	بشمردن	نشمردن
"	"	بشنودن	نشنودن
"	چوتھا شعر	روابست	روانست
۶۱	تیسرا شعر	نہ ہو	نہ ہوا
۶۳	شعر ۴	شعار	شمار
۶۴	شعر ۲	لام	لالم

نمبر صفحہ		غلط	صحیح
۶۶	مصرعہ ۳	ز دو	ز درد
"	آخری شعر	من ربک	مَنْ رَبُّكَ
۶۷	آخری مصرعہ	پوچھو	پوچھ
۶۸	شعر ۲	شکایت درد غم دوا	شکایت درد و غم دوا
	شعر ۳	مصرعہ ثانی چھپنے سے رہ گیا ہے	کہ سر بہ زانوئے زاہد بہ بوریا خفتست
	شعر ۴	مصرعہ ثانی " " "	ز بخت من خبر آرید تا کجا خفتست
ص۷۰	مصرعہ ۴	در فقائے	در قفائے
	شعر ۴	آنچہ اوتیز دم	آنچہ از ما
۷۲	مصرعہ ۲	اندریں دیر کہن	اندروں دیر کہن
	شعر ۵ پہلا مصرعہ	نبیدم	نبیذم
ابتدائی ص ن	پہلا مصرعہ	از رہ	در رہ
ص۴	پہلا شعر پہلا مصرعہ	نوا	نبود

انتساب

یہ فیضانِ نظر میرے گرامی قدر استاذ مکرم رانا محمد حیات صاحب جویا
مدظلہ العالی (ہیڈ ماسٹر ریٹائرڈ ضلع لائلپور متوطن کوٹ شاکر ضلع جھنگ) کا ہے جن سے احقر کو
اردو اور فارسی کے ابتدائی اسباق کے ساتھ ادب کی چاشنی ملی ۔ اقبال و غالب کی عظمت
دل میں بیٹھی اور جن کی رہنمائی مجھے زندگی کے ہر قدم پر حاصل رہی ہے

اسی معلم ادب اور اسی پیکر کرم کے نام نامی سے احقر اس کتاب
کو منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے

(چودھری) **نبی احمد** (باجوہ) ایم اے
اسسٹنٹ سیکرٹری صوبائی اسمبلی لاہور، ریٹائرڈ
(سابق فوڈ کنٹرولر و کلیمز افسر لاہور
(سابق عارضی معلم فلسفہ دیال سنگھ کالج
(سابق معلم انگریزی ایم اے او کالج لاہور

گفتمش ذرہ بہ خورشید رسد گفت محال! گفتمش کوشش من در طلبش گفت بجاست!!

احوالِ واقعی

پروردگار عالم کا شکر ہے کہ غالب کے دو ہزار فارسی[1] اشعار کا اردو میں منظوم ترجمہ پیش خدمت کرنے کی توفیق اس بندہ ناچیز و ہیچ مدان کو ارزانی فرمائی گئی۔ تشکر و تبرک کے طور پر مولانا حالی مرحوم اور خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کے گرامی قدر نام زبان پر لانے کی اجازت چاہتا ہوں جنہوں نے علی الترتیب اپنی بلند پایہ تصانیف "یادگار غالب" اور "افکار غالب" میں مرزا کے ۳۷۵ اور ۶۹۷ فارسی اشعار کا اردو ترجمہ نہایت عمدہ شرح کے ساتھ قلمبند فرما کر غالب شناسی اور غالب نمائی کی راہیں ہموار کیں۔ احقر نے ان سے بقدر ظرف استفادہ کیا ہے۔ مولانا غلام رسول مہر مرحوم، شیخ محمد اکرام مدظلہٗ کی بلند پایہ تصانیف سے بھی اخذ فیض کیا ہے مگر جن حضرات نے ذاتی طور پر زیر نظر تراجم کی تصحیح میں مدد فرمائی، ان میں سرفہرست نام آغا صادق پرنسپل گورنمنٹ کالج کوئٹہ حال امامیہ کالج ساہیوال کا ہے جنہوں نے آج سے گیارہ سال قبل کوئٹہ میں جب کہ بندہ وہاں ۵۹ء، ۱۹۶۰ء میں ڈسٹرکٹ فوڈ کنٹرولر تھا میرے تمام مسودہ ہائے تراجم جو ۵۰ سے ۱۹۶۰ء تک تیار تھے بغرض تصحیح دیکھنے کی تکلیف فرمائی اور کئی فنی اصول بتا کر میری ہمت افزائی کی میں تہ دل سے ان کا شکر گزار ہوں مگر افسوس ہے کہ گیارہ سال سے پھر ملاقات نہیں ہو سکی، بعد کے گیارہ سال میں تراجم کی مقدار دو چند ہو گئی جن میں سے ایک نظم کی نوک پلک پروفیسر مرزا محمد منور گورنمنٹ کالج لاہور نے درست کی تھی جن کا شکریہ ادا کرنے میں فرحت محسوس ہو رہی ہے۔

گاہے گاہے سید عابد علی عابد صاحب مرحوم کی خدمت میں "قصر قیصر" لاہور کینٹ میں جا کر حاضر ہوتا تو سید صاحب بڑی شفقت و محنت سے میرے تراجم کو پڑھ کر اپنے ہاتھ سے اصلاح دے دیا کرتے تھے۔ دل و جاں میں بس رہے ہیں حق تعالیٰ مغفرت کرے۔ بندہ پروفیسر عابدی کا بھی از حد شکر گزار ہے جنہوں نے یہ شعر سمجھانے کی زحمت فرمائی تھی[2]۔ مولانا صلاح الدین مرحوم ایڈیٹر "ادبی دنیا" کو خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے جنہوں نے اپنی عمر کے آخری شمارہ "ادبی دنیا" میں مرزا غالب کی چار فارسی غزلیں میرے تراجم کے ساتھ ایک ہی صفحہ میں شعر بہ شعر اور مصرع بہ مصرع شائع کر کے مجھ پر احسان عظیم کیا تھا۔ ان کی اس کرم بخشی کی بدولت ہی سید عابد علی عابد صاحب سے بندہ کا تعارف ہوا جنہوں نے ایک دفعہ مجلس ترقی ادب لاہور کے دفتر میں ان تراجم کی یہ کہہ کر بے حد تعریف کی کہ جس دن یہ ترجمہ چھپا میں اس کے بعد ساری رات اس کوشش میں جاگتا رہا کہ ترجمہ کے کسی شعر سے بہتر شعر کہہ سکوں مگر میں نے اپنی کوشش کے مقابلے میں اس ترجمہ کو ہی بہتر پایا۔ میں نے اٹھ کر پاؤں پکڑ لیے اور کہا کہ وہ ترجمہ بندہ نے ہی کیا ہے کیونکہ اس

[1] جن میں غالب کے تمام اصناف سخن کے نمونے شامل ہیں مثلاً قطعات، مثنویات، قصائد، غزلیات، رباعیات اور ترکیب بند وغیرہ۔

[2] بمقصدے کہ مراں ذرہ خدا گوید   برو برو کہ ازاں سو بیا بیا گوید

وقت تک وہ مجھ سے قطعاً ناواقف تھے پھر فرمایا کہ خدا کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ آپ نے بہت محنت کی ہے جو خدائے سخن کے کلام کا ترجمہ کر پائے ہو۔

اس سے مجھ میں خود اعتمادی کا جذبہ ابھر آیا مگر میں نے اب بھی پاس ادب سے مرزا کا کلام مسلسل الگ صفحات پر شائع کیا ہے اور اپنے اردو منظوم تراجم الگ صفحات پر درج کیے ہیں۔

پروفیسر حمید احمد خاں صاحب صد ستائش کے قابل ہیں کہ ان کا ایک گیارہ سال پرانا مکتوب گرامی ان اوراق کو زینت بخش رہا ہے جس کے ساتھ ساتھ جناب مالک رام صاحب کا دہلی سے آمدہ مکتوب بھی وجہ فخر و زینت ہے۔

اب مجھے اپنے دونوں مربی اور محسن بھائی صاحبان چودھری خورشید احمد مرحوم و چودھری سلطان احمد مدظلہ العالی کے اسمائے گرامی سے ان اوراق کو مزین کرنا ہے جن کی بدولت مجھے گورنمنٹ کالج لاہور میں ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۲ء تک پورے چھ سال سکونِ خاطر کے ساتھ (جب کہ دنیا بھر میں پہلی جنگِ عظیم کے نتیجے میں اقتصادی بدحالی کا دور دورہ تھا) بین الاقوامی شہرت کے اساتذہ کرام سے عالمی شہرت کے طلباء کی صحبت میں تحصیل علم کا موقع ملا۔ اور ایم۔ اے (فلسفہ بشمول نفسیات) کی ڈگری حاصل کی۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم اس سال ہمارے پرچہ مابعد الطبیعیات کے بیرونی ممتحن تھے اور مجھے فخر ہے کہ انہوں نے احقر کو سیکنڈ کلاس[1] ایم۔ اے ڈگری کا مستحق گردانا) ان دنوں کالج سٹاف میں شہرۂ آفاق پروفیسر انگریزی سید احمد شاہ بخاری نے بی اے تک ہمیں انگریزی پڑھائی۔ پرنسپل کرنل ایچ۔ ایل۔ اوگیرٹ، پروفیسر سیتارام کوہلی اور پروفیسر امولک رام کھنہ ہمیں تاریخ پڑھاتے تھے۔ عربی میں بی۔ اے تک میرے معلم جناب ڈاکٹر صدر الدین ڈی لٹ (جرمنی) تھے۔ قاضی محمد اسلم، ملک احمد حسین اور جی سی چیٹرجی نے مجھے سال اول سے سال ششم تک فلسفہ پڑھایا۔ یہ تینوں پروفیسر ایک سے ایک بڑھ کر شفیق، خلیق اور علیم تھے۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ اردو کے استاد الحاج مولوی کریم بخش مرحوم تھے۔

ممتاز طلباء میں ان دنوں مندرجہ ذیل درخشاں ستارے اپنی ضوفشانیوں سے کالج کو منور کر رہے تھے۔ ۱۔ حافظ عبدالمجید صاحب کا نام لیاقت و قابلیت میں سرفہرست تھا (جو زمانہ مابعد میں ہمارے چیف سیکرٹری ہوئے اور عالمی اداروں میں جلیل القدر عہدوں پر پہنچے) موصوف کالج میں مجھ سے بہت سینئر ہونے کے باوجود مجھ پر اتنے مہربان تھے کہ جب داغ پر بہترین مضمون لکھنے پر مجھے اول انعام ن۔ م۔ راشد کے ساتھ مشترکہ ملا تو حافظ صاحب بہ نفسِ نفیس چل کر میرے کمرے میں رونق افروز ہوئے اور مضمون مذکور پڑھ کر خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے یہ پیشین گوئی کی کہ جب آپ مصنف بنیں گے تو ہم کہیں گے کہ کالج میں بھی ہم ان کے مضامین

[1] یہ راز پچیس سال بعد اتفاقاً میرے علم میں آیا۔

پڑھا کرتے تھے۔

۲۔ کالج کی سیاست میں ان دنوں سید فدا حسن شاہ صاحب چھائے ہوتے تھے۔ ایک طرف وہ کرکٹ کے کپتان تھے تو دوسری طرف کالج یونین کے بھی صدر رہے۔ نیز ایک نہایت ہی ارفع مجلس اکابر کے پریذیڈنٹ تھے۔ بندہ ان کی انتظامیہ کمیٹی کا ممبر تھا اور اکابرین میں شمولیت کا شرف مجلس مذکور کی متفقہ رائے سے ملا۔ انتخاب کی اطلاع شاہ صاحب نے بوساطت اے کے ملک[1] ارسال فرما کر مجھے ممنون فرمایا۔

۳ سید کرامت حسین جعفری (پرنسپل، ایم اے فلسفہ میں میرے ہم سبق تھے اور کرنل شیخ محمد اسلم مرحوم پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور بھی اسی کلاس میں میرے ہم درس تھے۔

۴ شیخ محمد اکرام صاحب مصنف غالب نامہ وغیرہ اور خواجہ عبدالرحیم صاحب مجھے سکالرشپ ہولڈر کی حیثیت سے اور نیو ہوسٹل میں مقیم ہونے کے باعث اچھی طرح جانتے تھے۔ اسی طرح ایچ ایم صوفی اور اے کے ملک بھی مہربان تھے چودھری محمد رفیع کلاس فیلو بھی تھے اور بہترین دوست بھی۔

۵ سال اول سے سال ششم تک جو حضرات میرے کلاس فیلو رہے ان کے نام یہ ہیں۔ این اے رضوی، ڈائرکٹر جنرل انٹیلی جنس پاکستان۔ راولپنڈی) چودھری محمد شفیع ظفر ریٹائرڈ۔ ایڈیشنل کمشنر لاہور، میاں محمد شفیع مرحوم (ڈی، سی لاہور) میاں سلطان محمود ہوتیانہ (سابق ایم ایل اے اور پارلیمنٹری سیکرٹری) شیخ محمد عمر پروفیسر زرعی یونیورسٹی لائل پور۔ خان عبدالمجید صاحب ایبٹ آبادی (ڈائرکٹر تعلیم پشاور)

۶ مندرجہ ذیل ہم جماعت حضرات نے ۱۹۳۲ میں میرے ساتھ ایم اے فلسفہ پاس کیا۔ شیخ آفتاب احمد صاحب (پی سی ایس۔ ریٹائرڈ) کرنل فخر الدین (سپرنٹنڈنٹ جیل ریٹائرڈ) جناب بشیر احمد ڈار حال ڈائرکٹر اقبال اکیڈمی پاکستان کراچی، چودھری عبدالقادر (پروفیسر فلسفہ پنجاب یونیورسٹی) علاوہ ازیں پروفیسر حمید احمد خاں اور سید فیاض محمود بھی ان دنوں انگلش (ایم اے) کر رہے تھے اور احقر کے کرم فرماؤں میں تھے چودھری جلال الدین اکبر جو ابھی (ان صاحب دیوان تھے (نقش ارژنگ) چودھری محمد جلال ایڈووکیٹ لائل پور، شیخ محمد اقبال (پی سی ایس)، حافظ عبدالمجید صاحب (سابق چیف سیکرٹری) اور ملک خدا بخش[2] بچہ (سابق وزیر) اور اکثر دیگر سینئر طلباء سے فرسٹ ایئر کلاس میں ہی تعارف نصیب ہوا تھا جو بفضل خدا آج تک قائم ہے خصوصاً جناب اکبر صاحب کا احقر شکر گزار بھی ہے کہ انہوں نے میرے بعض تراجم کی تصحیح و تحسین فرمائی

[1] جناب عبداللہ خالد ملک سی، ایس، پی [2] حال خصوصی معاون صدر پاکستان

ک

۷ ایف اے میں ہی بندہ کو سالانہ اردو انعامی مباحثے میں اوّل انعام ملا تھا جبکہ میرے کلاس فیلو نیز اس وقت کے دوست پیر احسن الدین کو انگریزی تقریری مقابلے میں اوّل انعام ملا تھا چونکہ سر شہاب الدین مرحوم سپیکر صوبائی اسمبلی اس جلسے کے صدر تھے اس وجہ سے چودھری صاحب کا تعارف عمر بھر کے لیے حاصل ہو گیا۔ اسی کی بدولت انہوں نے راقم کو ۱۹۳۷ء میں دفتر اسمبلی میں مترجم مقرر کیا۔ جہاں سے ۱۹۶۷ء میں بندہ اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوا۔ اس تیس سالہ عرصہ ملازمت میں راقم وقتاً فوقتاً ڈیپوٹیشن پر ڈسٹرکٹ فوڈ کنٹرولر اور کلیم افسر کے عہدوں پر چند سال تک کام کرتا رہا۔

۸ جن ایام میں انگلستان سے پروفیسر سید احمد شاہ بخاری صاحب واپس گورنمنٹ کالج آئے تو آپ نے آتے ہی شرف تعارف و تلمذ بخشنے سے بھی پہلے سیکرٹری بزم سخن کے عہدے کے لیے بندہ کو نامزد فرما کر از حد نوازش فرمائی۔ طلباء نے جب یہ خبر مجھے بتائی تو میں متحیر بھی ہوا اور متشکر بھی لیکن جب قرب نصیب ہوا تو بخاری صاحب نے اپنی ایک جدید بنا کردہ اُردو مجلس کا پہلا سیکرٹری بھی احقر کو مقرر کر دیا۔ ساتھ ہی پہلا مقالہ پڑھنے کا حکم بھی مجھ کو ہی دیا اور موضوع بھی خود ہی تجویز فرمایا "غالب" - نیز اشارتاً حکم دیا کہ "ذرا محنت کر لینا۔" عثمانیہ یونیورسٹی کے پروفیسر خلیفہ عبدالحکیم صاحب حیدر آباد دکن سے صدارت فرمانے آئیں گے اور سالکؒ و تاجؔ بھی مہمان خصوصی ہوں گے بعد کے جلسوں میں فیض احمد فیضؔ نے "گوئٹے" پر، آغا عبدالحمید صاحب نے "پریم چند" پر اور چودھری شیر محمد حمید صاحب نے اقبال کے "مرد مومن" پر مقالات پڑھے۔

۹ جب بخاری صاحب آخری مرتبہ امریکہ سے "اکرٹونائٹڈ نیشنز" کے ایک عہدہ جلیلہ پر واپس تشریف لے جا رہے تھے تو بندہ ان کو الوداع کہنے لاہور ایئر پورٹ پر گیا بخاری صاحب اس وقت جناب سید امتیاز علی تاجؔ مرحوم، صوفی غلام مصطفیٰ تبسمؔ اور فیض احمد فیضؔ صاحب کے حلقے میں کھڑے تھے۔ ربع صدی بعد مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا اور حلقہ تثلیث توڑ کر نہایت شفقت سے مجھے ملے اور پوچھا "نبی احمد! وہ جو تمہارے دماغ میں کبھی ادب کا کیڑا تھا اس کا کیا حال ہے؟" عرض کیا "جناب! میں آج کل غالب کے فارسی کلام کا اردو میں منظوم ترجمہ کر رہا ہوں" یہ سن کر متبسم ہوئے .... ہائے آج ان کو کون بتائے کہ آپ کے بعد بھی آپ کا شاگرد آپ کے حکم کی تعمیل میں کوشاں رہا اور آج آپ کے عہد کو پورا کر رہا ہے۔

ع زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن

چودھری نبی احمد (باجوہ)

ٹ کون بتائے کا جواب بزبان غیب مندرجہ ذیل ملاحظہ فرمائیے :-

"پروفیسر احمد شاہ بخاری کے احباب مجھ سے خاص گرم جوشی کے ساتھ ملے کیونکہ میرا تعارف "بخاری کے ایک پرانے طالب علم کی

ط مولانا عبدالمجید سالک مرحوم کے ذریعے علامہ اقبال (مرحوم) کے در دولت پر بارگاہ حاضری دینے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

حیثیت سے کرایا گیا تھا۔ نیویارک تک پہنچ کر بخاری صاحب سے نہ مل سکنا مجھے بہت گراں گزر رہا تھا۔ چنانچہ اتوار کو جب میں آغا اشرف کے گاؤں گیا [نیویارک سے کوئی ۲۲ میل باہر یہاں اشرف اپنے ذاتی مکان میں رہتے تھے] تو میں نے ان کی بیگم اور بچوں سے عرض کی کہ آغا اشرف سب مجھے بخاری صاحب کی قبر پر لے جائیں۔ معلوم ہوا کہ بخاری صاحب کے مدفن کو قبر کا نام دینا محض تکلف ہے نیویارک کے مضافات میں کینیکو کا قبرستان ایک سرسبز پہاڑی پہ واقع ہے۔ یہاں سینکڑوں قبروں کے درمیان گھاس کے ایک وسیع تختے کے نیچے جو بے نام و نشان ہے۔ بخاری صاحب کسی نہ کسی تودۂ خاک میں ملفوف ہیں۔ قبرستان کے امریکی دارو غہ نے گھاس کے پھیلتے ہوئے رقبے میں سے ایک خاص نقطے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا! "[illegible]" اب میرے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ گھاس کی ان نامعروف پتیوں کو پروفیسر احمد شاہ بخاری کا آخری پیراہن تسلیم کروں۔ شام کا دھندلکا رات کی تاریکی میں غائب ہونے کو تھا۔ میں نے فاتحہ کیلئے ہاتھ اٹھائے اور مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی"...... (حمید احمد خاں)

اوپر کی عبارت تائیدِ غیبی سے "آغا محمد اشرف کا خط" کے زیرِ عنوان "ادبی دنیا" کے اسی شمارے میں شائع ہوئی تھی جس میں میرا ترجمۂ غالب شائع ہوا تھا میں اس قدرتی اتفاق پر متحیر بھی ہوا اور متشکر بھی کہ پروفیسر حمید احمد خاں نے اپنے دلگداز الفاظ میں میرے جذبات کی بہترین ترجمانی کر دی تھی۔ استادِ گرامی سید احمد شاہ بخاری کی موت کے بعد بھی ملاقات کرنے کی حسرت۔ بے نام و نشان قبر کے ساتھ بخاری صاحب کا نام گویا میرا کام دیکھنے...... شاگرد کی ہمت بندھانے کے لیے ادبی دنیا کے صفحات پر یہی تو بکھیر رہا تھا۔

بقول غالب :۔ ہم از تصرفِ بیتابیٔ زلیخا بود   بہ چاہ یوسف اگر راہ کارواں افتاد!

نبی احمد

۱۲-جی ماڈل ٹاؤن لاہور-۱۴

۲۴-جولائی ۱۹۷۱ء

ڈاکٹر محمد باقر کا گرامی نامہ

قبلہ چوہدری صاحب، سلام مسنون

۱- غالب کے فارسی کلام کے اُردو ترجمہ کے آپ نے مجھے چند نمونے مرحمت فرمائے۔ میں نے اِن سے اِستفادہ کیا ہے اور بہت محظوظ ہوا ہوں۔ آپ نے بڑی کاوش اور محنت سے یہ نازک کام سرانجام دیا ہے۔ میں نے مطبوعہ غزلوں میں ایک آدھ ترمیم کرنے کی جسارت کی ہے۔ آپ کو اگر پسند ہو تو قبول فرمالیں۔ ورنہ رد کردیں۔

(۲- قبلہ ڈاکٹر صاحب کی تجویز کردہ چاروں ترامیم جو آپ نے ایک مطبوعہ غزل میں کی تھیں بصد تشکر قبول کر کے شش جہاتِ غالب کے حصۂ غزلیات کی جلد دوم میں زیرِ طبع ہیں اور اِس امر کا اعتراف متعلقہ غزل کے فُٹ نوٹ میں بھی کر دیا گیا ہے مگر خاص طور پر یہاں بھی ایک شعر اس ترمیم شدہ صورت میں درج ذیل ہے:-

؎ رموزِ دیں کو نہ سمجھا اگر تو ہوں معذور — کہ دِل مرا عجمی ہے مگر ہے دِیں عربی) (مترجم)

۳- میری آرزو تھی کہ میں آپ کے اِس کام میں بیشتر شرکت کرتا اور اپنی بساط کے مطابق کچھ اور خدمت بھی کرتا لیکن اِس وقت کچھ اِس قسم کا عالم ہے ؎ کہ دامنِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

میں نے شفاہاً مختصر طور پر اِس طرف اشارہ کیا تھا۔ اگر اللہ جل شانہ نے توفیق دی تو دُوسرے ایڈیشن میں یہ کام کر سکوں گا۔ اِنشاء اللہ

۴- آپ کا مسودہ اور کاپیاں ارسال خدمت ہیں۔ والسلام

محمد باقر

گُزارشِ مُؤلّف!

(ا)

شش جہاتِ عالمِ امکاں، جہانِ کُن فکاں
جس سے روشن ہیں وُہ ہے قندیلِ افکارِ بلند

ہے فروغِ مہر و مہ سے بھی فزوں نُورِ خرد
یہ وہاں پہنچے جو ہے حدِّ ادب سُورج پہ بند

ظُلمتِ شب میں بھی روشن اَور غار و چہ میں بھی
یہ منوّر سال بھر قطبین میں بھی ہوش مند

کان و معدن ہو یا قعرِ قُلزم و جوفِ خلا
ہے یہی شمس و قمر بہرِ بشر! اَے اَرجمند!

قِصّہ طُولانی ہے لیکن کر رہا ہُوں مختصر
دیکھیے افلاک پر رنگیں کرن اِک نقشبند

اَنفُس و آفاق کے اسرار جس میں جلوہ گر
مخزنِ افلاک پر یہ ڈال دی کس نے کمند

حضرتِ اقبالؔ جس کی مدح میں رطب اللّسان
زینتِ جاوید[1] نامہ جس کے اشعار[2] بلند

---

[1] علامہ اقبالؒ کی عظیم کتاب "جاوید نامہ" جس میں اُنھوں نے دُنیا بھر کے مُمتاز مشاہیر مذہبی، سیاسی اَور علمی پر ایک حکیمانہ نظر ڈالی ہے (بقیّہ حاشیہ زیریں صفحہ آئندہ)

"لطفِ گویائی میں جس کی ہمسری ممکن نہیں" | فکرِ انساں جس کی ہستی سے ہُوا اقبال مند
یہ وُہی ہے غالبِ اسرار دانِ کائنات | ہند میں وُہ گلستانِ فارسی کا خلبند

مِلّتِ اِسلامیانِ ہند پر نوحہ کناں
"کہنہ نخلِ تازہ از صرصر فتادہ" کی زباں

---

۲ (حاشیہ بقیہ صفحہ اوّل) صفحہ ۱۳۶ "جاوید نامہ" سے

"بیا کہ قاعدہٗ آسماں بگردانیم | قضا بگردشِ رطل گراں بگردانیم
اگر بکلیم شود ہمزباں سخن نکنیم | وگر خلیل شود مہماں بگردانیم
زحیدریم من و تو ز ما عجب نبود | گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم
(۱۴۵) قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ | اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ چیست"

(صفحہ نمبر ۱۴۶)

"ہر کجا ہنگامۂ عالم بود | رحمۃً للعالمینے ہم بود"

۱ غالبؔ کا فارسی شعر یُوں ہے :-

کہنہ نخلِ تازہ از صرصر ز پا اُفتادہ ام | خاکم، رکاوی ہنوزم ریشہ در گلزار ہست

ترجمہ:- میں وُہ نخلِ کہنہ ہُوں جس کو حال ہی میں بادِ صرصر کے جھونکوں نے اُکھاڑ پھینکا ہے۔ لیکن اگر آپ زمین کھود کر دیکھیں تو میری جڑ ابھی اس گلزار میں موجُود ہے۔ گویا سلطنتِ مُغلیہ کے زوال کی مثال غالبؔ نے اپنی زبانِ حال سے بیان فرمائی ہے۔

(۲)

شش جہاتِ فنِ غالب ہیں یہ شش اصنافِ شعر — مثنوی[1] ۔ قطعہ[2] ۔ قصیدہ[3] و غزل[4] ترکیب بند[5]

ہیں رُباعی[6] ڈال کر چھ پُورے اصنافِ سخن — جن پہ ہے کلیاتِ غالب مشتمل اے ارجمند

شش جہاتِ معنیٔ غالب ہے مضمر اِن میں ہی — ہے طلسمِ معنی اِن میں موجزن اَور نقشبند

کیف[1] و کم میں درجۂ اوّل قصائد کو مِلا — دُوسرے درجے پہ غالب کی غزل ہے بہرہ مند

شعرِ غالب میں ہے درجے تیسرے پر مثنوی — دے چکے ہیں قولِ فیصل ناقدانِ ہوش مند

ناقدِ اوّل تھا حالیؔ گوہرِ سنجِ سعید — آخری نقّاد حضرت مہر[2] والا و بلند

ہے مگر مقبول تر اصناف غالب میں غزل — اَور پھر مشہور تر قطعات کے اشعار چند

ماخوذ از غزل

"شہرتِ شعرم بگیتی بعدِ من خواہد شدن — مے کہن تر ہو تو ہو مرغوب تر اے ہوش مند"

ماخوذ از قطعہ

"فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ — بگذر از اشعارِ اُردو[3] کیناں بے رنگِ منند"

---

[1] کیف سے مُراد محاسنِ شعری اَور کم سے مُراد مقدار و تعدادِ اشعار ہے مطلب یہ ہے کہ غالب کی فارسی شاعری میں محاسنِ شعری کے لحاظ سے بھی اَور ضخامت و تعدادِ اشعار کے لحاظ سے بھی قصائد درجۂ اوّل پر آتے ہیں۔

[2] مولانا غلام رسول مہر مرحوم کو آخری نقّاد اُن کی حالیہ وفات کے باعث کہا۔ ورنہ کئی بڑے بڑے نقّاد بفضلِ خدا اب بھی موجود ہیں۔ [3] شعرِ غالب کے الفاظ میں تغیّر و تبدّل کے لیے معذرت خواہ ہوں محض ضرورتِ شعری کی خاطر اِس غلطی کا ارتکاب ہو گیا۔

مثنوی میں "حرفِ آخر" "ابرِ گوہر بار" ہے
بہترین[1] نظمِ غالبؔ ہے مگر ترکیب بند

یعنی وُہ حبسیۂ غالبؔ، وُہ زِنداں نامہ حیف
جس میں غالب نے لکھا تھا حالِ زارِ قید و بند

مثل اس کی اَدبیاتِ عالمی میں بھی ہے کم
صاحبِ "غالب شناسی" کا ہے یہ قولِ بلند

غازۂ رُوئے ہُنر خود اُس کو غالبؔ نے کہا
اور کہا حالیؔ نے بھی عُمدہ ترین نقشبند

ہے قصائد میں قصیدہ آخری ہی بہترین
جس کی تکرارِ نغے خواہم میں پنہاں ہے پسند

نیز تعریفِ زمانہ کا قصیدہ بھی ہے نغز
آبلہ پائی کے گوہر کا بھی قصّہ ہے بلند

اِن ہی جیسے اَور بھی اعلےٰ قصیدے ہیں بہت
شرط پڑھنے کی ہے دائم نزدِ مردِ ہوش مند

---

[1] حالیؔ کے اصل الفاظ یادگارِ غالبؔ میں یہ ہیں :-
"غالبؔ کی عُمدہ ترین نظمِ حالیہ"

چشمِ گُہرم از رہِ غوّاص سفید است[1]   تا در طلبِ من کہ شگافد دلِ یم را (غالبؔ)

(ہے رہِ غوّاص میں چشمِ گُہر میری سفید   کون چیرے سینۂ دریا کو اُف میرے لیے)

(ترجمۂ غالب)

(۳)

مُؤلّف (بحضورِ غالبؔ)

زاں پیشتر کہ عُمرِ گرانمایہ بگذرد
بگذار تا قیامتِ رُوئے تو بنگریم   (حافظؔ)

غالبؔ

"اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ رُخسارِ دوست"

مُؤلّف

ما بتُو مشغوُل و تُو با عُمرو زید
ہم نہیں جویا حسینوں کے ہیں ہم حُسن پسند

---

[1] قرآن میں حضرت یعقوبؑ کے بارے میں وارد ہے "وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ" اُس کی آنکھیں یوسفؑ کے غم میں سفید ہو گئیں۔

حُسن کاری تجھ کو ارزانی جو کی خلّاق نے
تو خلاقِ کا ہے محسن ہم ترے احسان مند

کر حجاباتِ دوئی کو دور دل سے تو ذرا
آتش حسنِ ازل تو جس میں احمدؔ ہے سپند

غالبؔ

چشمِ گہرم دررہِ غوّاص سفید است
تا در طلب من کہ نشگافند دلِ یم را

مؤلّف

کھول آنکھ کہ "فارتدّ بصیرا"[1] کا ہے منظر
غوّاص کا پیراہن یوسف سے ہے پیوند

---

[1] حضرت یوسفؑ کا پیراہن آنکھوں پر رکھنے سے جو حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں روشن ہوگئی تھیں اِس کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے کہ "فارتدّ بصیرا۔" "پس وہ بینا ہوگیا۔"

غالبؔ

زحیدریم من و تو ز ما عجب بنوا
گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم

مؤلّف

کھل گئی آنکھیں تو سینہ کھول کر راغب ہوئے
منکشف غالبؔ نے احمدؔ پر کیے اسرار چند

غالبؔ

ذوقیست ہمدمے بفغاں بگزرم ز رشک
خارِ رہت بہ پائے عزیزاں خلیدہ باد

ترجمہ

ہمدم فغاں میں کوئی ملے، رشک چھوڑ دوں
پاؤں میں غیر کے بھی چبھے خارِ رہ ترا

غالب کا فارسی کلام ——— اردو کے لباس میں

پیش لفظ

از مولانا صلاح الدین احمدؒ مرحوم ایڈیٹر ادبی دنیا

انیسویں صدی کے ربع آخر تک ہمارے اکابر شعراء اردو کے ساتھ فارسی میں بھی فکر سخن کیا کرتے تھے کہ فارسی کا سکہ کوچہ و بازار میں نہ سہی مملکت شعر و ادب اور اقلیم علم و عرفاں میں ابھی چلتا تھا اور بعض مطالب دقیق و نازک کے اظہار و بیان کے لئے فارسی ہی کا سہارا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ خود خدائے سخن نے برملا ارشاد فرمایا تھا

فارسی بیں تا ببینی نقش ہائے رنگ رنگ

بگذر از مجموعہ اردو کہ بے رنگ من است

اور اس میں کیا شک ہے کہ غالب کا رنگ خصوصی فارسی ہی میں نکھرتا ہے اگرچہ اردو نظم و نثر میں بھی جو کچھ اس نے لکھا، اس کی مثال صدیوں تک نہ پیدا ہو سکے گی۔

غالب سے کم و بیش نصف صدی کے بعد اقبال نے بھی اپنے بعض افکار کے ابلاغ کے لئے اردو کی بجائے فارسی کو ذریعہ اظہار بنایا اور شاید بجا طور پر بنایا ــــ اگرچہ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اردو کسی طرح ان افکار کے ابلاغ کا ذریعہ ہی نہ بن سکتی تھی۔ بات دراصل شاعر اور زبان کے انفرادی مزاج اور دونوں کی باہمی مفاہمت اور مطابقت کی ہے

اسے آگے بڑھانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اقبال کے بعد ہمارے ہاں فارسی شاعری قریب قریب ختم ہو گئی اگرچہ بعض اہل ذوق منہ کا مزا بدلنے کے لئے اب بھی کبھی کبھی اس میں شوق سخن اور فکر شعر فرماتے ہیں مگر سامعین و ناظرین سے اکثر و بیشتر محروم رہتے ہیں۔

ایسے میں اگر کوئی صاحب ہمت فارسی شاعری کے نوادر کو اردو کا لباس پہنا کر عام اہل ذوق کی ضیافت طبع کا سامان کرے اور اپنی اس کوشش میں جمال سخن اور توازن اظہار دونوں پر نگاہ رکھے اور اس لطف بیان کو ہاتھ سے نہ دے جس کو محض محسوس ہی کیا جا سکتا ہے بوسوم نہیں کیا جا سکتا تو وہ یقیناً ہماری توجہ خاص کا مستحق ہے۔ شعر فارسی کو اردو میں منتقل کرنے کی ہمارے ہاں متعدد کوششیں ہو چکی ہیں اور ان میں بعض خاصی کامیاب بھی رہی ہیں۔ راستہ نکالنے والے آگے بڑھ چکے ہیں، جابجا چراغ بھی رکھے جا چکے ہیں اور فارسی کی روح اردو کے قالب میں چنداں ناآسودگی محسوس نہیں کرتی اور اس لئے نہیں کرتی کہ دونوں کا مخزن الفاظ اور کلاسیکی روایات قریب قریب یکساں ہیں۔

جناب نبی احمد ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے دونوں زبانوں کے آہنگ مشترک سے ایک نغمۂ نو تخلیق کیا ہے اور غالب کے سرود فارسی کو نیستان اردو کا مہمان بنا کر اہل ذوق کی ضیافت طبع کا سامان بہم پہنچایا ہے۔

آئندہ صفحات میں غالب کی بعض مشہور فارسی غزلیں اردو کے لباس میں جلوہ آرا ہیں اور آپ کے لئے شہد و شکر کے جام ہاتھوں میں لئے خراماں خراماں چلی آ رہی ہیں

([illegible])

پروفیسر حمید احمد خاں صاحب کا مکتوب گرامی

سول لائنز
۲۳ اگست ۱۹۵۹ء

برادرم چودھری صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا ۱۱ اگست کا عنایت نامہ ملا اور باعث مسرت ہوا۔ میں نے وحدت قومیت پاکستان والے مضمون پر کچھ محنت کی تھی۔ اس لیے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے اُسے دلچسپی کی نظر سے دیکھا۔

اس بہانے مجھے آپ کے بعض پر لطف تراجم دیکھنے کا موقع بھی مل گیا۔ بعض ترجمے نہایت برجستہ ہیں اصل کا لطف دے جاتے ہیں مثلاً

تن پروری خلق ریاضت سے بڑھی اور یا

تیری قدرت پہ ہے بس تیری ہی قدرت حاوی بہت خوب ہیں

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

میں آج دو ہفتے کے ایک مختصر سے دورے پر ہندوستان جا رہا ہوں۔ دلی۔ علی گڑھ۔ بھوپال اور حیدر آباد دکن کے کتب خانوں کی زیارت کا قصد ہے۔ ستمبر کے دوسرے ہفتے میں انشاءاللہ واپس لاہور پہنچ جاؤنگا۔

امید ہے آپ بہمہ وجوہ خیریت سے ہوں گے

جناب مالک رام صاحب دہلی ۴۳۱۔ متھرا روڈ

۱۶ر جون سنہ ۱۹۶۶ء

کرمفرمائے من آداب

معافی چاہتا ہوں کہ آپ کے گرامی نامہ کا جواب اتنی تاخیر سے دے رہا ہوں مصروفیات کا یہ عالم ہے کہ بیشتر ضروری کام کرنے سے رہ جاتے ہیں۔ کچھ عمر کا تقاضا بھی ہے۔

یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے غالب کے فارسی کلام کا معتدبہ حصہ اردو نظم میں منتقل کرلیا ہے۔ کام مشکل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب سیّد عابد علی صاحب مدظلہ اس کی تعریف فرمارہے ہیں تو یہ عمدہ بھی ہوگا۔ اگر آپ نمونہ کے طور پر کچھ بھیج سکیں تو میں بھی اس سے محظوظ ہوسکونگا۔

افسوس کہ "ادبی دنیا" میں جو غزلیں شائع ہوئی تھیں وہ میری نظر سے نہیں گذریں۔

میرا خیال تھا کہ اس کتاب کی اشاعت کے امکانات آپکے وہاں یہاں سے کہیں زیادہ ہیں آپ نے اس کے بالعکس لکھا ہے یہ پڑھ کر کچھ تعجب ہوا۔

والسلام والاکرام

خاکسار

مالک رام

غزلیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے بخلا[1] و ملا خوئے تو ہنگامہ زا
با ہمہ در گفتگو[2]، بے ہمہ با ماجرا

شاہدِ حسنِ ترا، در روشِ دلبرے
طرۂ پُر خم صفات، موئے میانِ ماسوا

دیدہ وراں را کند دیدِ تو بینش فزوں
از نگہِ تیز رو گشتہ نگہ توتیا

آب ز بخشش برد رونقِ سکندر بدر
جاں نہ پذیری بہیچ نقدِ خضر ناروا

بزمِ ترا شمع و گل خستگئ بوتراب
سازِ ترا زیر و بم واقعۂ کربلا

نکتبیانِ ترا قافلہ بے آب و ناں
نعمتیانِ ترا مائدہ بے اشتہا

گرمئ نبضِ کسی کز تو بدل داشت سوز
سوختہ در مغزِ خاک ریشۂ دار و گیا

معصیتِ زہر ستم دادہ بیادِ توام
سبز بود جائے من در دہنِ اژدہا

کم مشمر گریہ ام زاں کہ بتعلیمِ ازل
بودہ دریں جوئے آب گردشِ ہفت آسیا

سادہ ز علم و عمل مہرِ تو ورزیدہ ایم
مستئ ما پایدار بادۂ ما ناشتا

خلد بہ غالب سپار زانکہ بداں روضہ در
نیک بود عندلیب خاصہ نو آئیں نوا

---

[1] آج کل کے خلائی دور میں "خلا" "لفظ" اور معنا خصوصی توجہ کا طالب ہے۔

[2] خدا کی گفتگو سے مراد تبلیغی، ذہنی، روحانی، جبلی اور فطری رجحان نیز "کن فیکون" اور "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" مراد ہے کیونکہ غالب کا اشارہ "با ہمہ" ہر مخلوق اور ہر روح ہے لازماً اس خدائی گفتگو کا استفسار ہے۔ ہو جا پس ہو جاتا ہے - کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے کہ خلا و ملا میں ہے تو ہنگامہ زا
با ہمہ تو ہم سخن، بے ہمہ با ماجرا!

یوں ہے تو جلوہ فروز دلبری کی شان میں
گیسو ہیں گویا صفات اور کمر ما سوا

دیکھنے والوں کو دید تیری بصارت فروز
ایک نگہ تیز رو خود ہے سرمہ آنکھ کا

زور سے ہے کون آب، خون سکندر، رو،
لے نہ تو جاں رفتہ بھی؛ تشنۂ خضر نا روا

بزم کی زینت تری خستگیٔ بوتراب
ساز کا ہے زیر و بم واقعۂ کربلا

غم زدوں کا ہے ترے قافلہ بے آب و ناں
نعمتیوں کو ترے عائد ہے بے اشتہا

سوزِ غم سے جو ترے نبض ہے آتش بجاں
وہ جلائے زیر خاک ریشۂ دار و گیا

عشق میں تیرے ہوں میں مصرف زہر ستم
سبز ہے میرا نشاں در دہان اژدہا

کم نہیں گریہ مرا، کیونکہ بعلم ازل
بھی اسی گرداب میں گردش ہفت آسیا

علم و عمل سے تہی، دل میں ہے الفت تری
مستی اپنی پایدار بن پیے مے دما

خلد تو غالب کو بخش تاکہ ہو اس باغ میں
خوب ایک عندلیب، طرفہ نرالی نوا

---

۱ خلوت و جلوت ۲ رونق افزا، ہنگامہ پرور ۳ سب کے ساتھ ۴ تنہا ۵ حوادث ۶ عالم ۷ دسترخوان
۸ بھوک ۹ جڑ ۱۰ علاج معالجے میں کام آنیوالے پودے ۱۱ ظلم و ستم کے زہر کے قابل ۱۲ سانپ کے منہ میں ۱۳ سات آسمان

عیش و غم در دل نمی استد خوشا آزادگی!
بادہ و خون بہ یکسانست در غربال ما
ما ہمائے گرم پروازیم فیض از ما مجوی!
سایہ ہمچوں دود بالا میرود از بال ما
خضر در سرچشمۂ حیواں فرو غلطید نش
لغزشِ پائیست کش رو دادہ در دنبال ما

آشنایانہ کشد خارِ رہت دامنِ ما!
گوی ایں بود ازیں پیش بہ پیراہنِ ما
بی تو چوں بادہ کہ در شیشہ ہم از شیشہ جداست
نبود آمیزشِ جاں، در تنِ ما با تنِ ما
سایہ و چشمہ بصحرا دم عیشی دارد!
اگر اندیشۂ منزل نشود رہزنِ ما
سخنِ ما زلطافت نہ پذیرد تحریر
نشود گرد نمایاں ز رمِ توسنِ ما

ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ
شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فنِ ما

غالب کا فارسی کلام ــــــــــ اردو کے لباس میں

پیش لفظ

از مولانا صلاح الدّین احمدؒ مرحوم ایڈیٹر ادبی دنیا

انیسویں صدی کے ربع آخر تک ہمارے اکابر شعرا اردو کے ساتھ فارسی میں بھی فکر سخن کیا کرتے تھے کہ فارسی کا سکہ کوچہ و بازار میں نہ سہی مملکت شعر و ادب اور اقلیم علم و عرفاں میں ابھی چلتا تھا اور بعض مطالب دقیق و نازک کے اظہار و بیان کے لئے فارسی ہی کا سہارا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ خود خدائے سخن نے برملا ارشاد فرمایا تھا

فارسی بیں تا ببینی نقش ہائے رنگ رنگ

بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است

اور اس میں کیا شک ہے کہ غالب کا رنگ خصوصی فارسی ہی میں نکھرتا ہے اگرچہ اردو نظم و نثر میں بھی جو کچھ اس نے لکھا، اس کی مثال صدیوں تک نہ پیدا ہو سکے گی۔

غالب سے کم و بیش نصف صدی کے بعد اقبال نے بھی اپنے بعض افکار کے ابلاغ کے لئے اردو کی بجائے فارسی کو ذریعہ اظہار بنایا اور شاید بجا طور پر بنایا ـــــ اگرچہ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اردو کسی طرح ان افکار کے ابلاغ کا ذریعہ ہی نہ بن سکتی تھی۔ بات دراصل شاعر اور زبان کے انفرادی مزاج اور دونوں کی باہمی مفاہمت اور مطابقت کی ہے

اسے آگے بڑھانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اقبال کے بعد ہمارے ہاں فارسی شاعری قریب قریب ختم ہوگئی اگرچہ بعض اہل ذوق منہ کا مزا بدلنے کے لئے اب بھی کبھی کبھی اس میں شوق سخن اور فکر شعر فرماتے ہیں مگر سامعین و ناظرین سے اکثر و بیشتر محروم رہتے ہیں۔

ایسے میں اگر کوئی صاحب ہمت فارسی شاعری کے نوادر کو اردو کا لباس پہنا کر عام اہل ذوق کی ضیافت طبع کا سامان کرے اور اپنی اس کوشش میں جمال سخن اور توازن اظہار دونوں پر نگاہ رکھے اور اس لطف بیان کو ہاتھ سے نہ دے جس کو محض محسوس ہی کیا جاسکتا ہے مرسوم نہیں کیا جاسکتا تو وہ یقیناً ہماری توجہ خاص کا مستحق ہے۔ شعر فارسی کو اردو میں منتقل کرنے کی ہمارے ہاں متعدد کوششیں ہو چکی ہیں اور ان میں بعض خاصی کامیاب بھی رہی ہیں۔ راستہ نکالنے والے آگے بڑھ چکے ہیں، جابجا چراغ بھی رکھے جا چکے ہیں اور فارسی کی روح اردو کے قالب میں چنداں ناآسودگی محسوس نہیں کرتی اور اس لئے نہیں کرتی کہ دونوں کا مخزن الفاظ اور کلاسیکی روایات قریب قریب یکساں ہیں۔

جناب نبی احمد ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے دونوں زبانوں کے آہنگ مشترک سے ایک نسخۂ نو تخلیق کیا ہے اور غالب کے سرو فارسی کو گلستان اردو کا مہمان بنا کر اہل ذوق کی ضیافت طبع کا سامان بہم پہنچایا ہے۔

آئندہ صفحات میں غالب کی بعض مشہور فارسی غزلیں اردو کے لباس میں جلوہ آرا ہیں اور آپ کے لئے شہد و شکر کے جام ہاتھوں میں لئے خراماں خراماں چلی آرہی ہیں

(ص)

پروفیسر حمید احمد خاں صاحب کا مکتوبِ گرامی

سول لائنز
۲۳ اگست ۱۹۵۹ء

برادرم چودھری صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا ۱۱ اگست کا عنایت نامہ ملا اور باعث مسرت ہوا۔ میں نے وحدت قومیت پاکستان والے مضمون پر کچھ محنت کی تھی۔ اس لئے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے اُسے دلچسپی کی نظر سے دیکھا۔

اس بہانے مجھے آپ کے بعض پرلطف تراجم دیکھنے کا موقع بھی مل گیا۔ بعض ترجمے نہایت برجستہ ہیں اصل کا لطف دے جاتے ہیں مثلاً

تن پروریٔ خلق ریاضت سے بڑھی اور یا

تیری قدرت پہ ہے بس تیری ہی قدرت حاوی بہت خوب ہیں

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

میں آج دو ہفتے کے ایک مختصر سے دورے پر ہندوستان جا رہا ہوں۔ دلی۔ علی گڑھ۔ بھوپال اور حیدرآباد دکن کے کتب خانوں کی زیارت کا قصد ہے۔ ستمبر کے دوسرے ہفتے میں انشاءاللہ واپس لاہور پہنچ جاؤنگا۔

امید ہے آپ بہمہ وجوہ خیریت سے ہوں گے

جناب مالک رام صاحب دہلی ۴۳۱۔ متھرا روڈ

۱۶ر جون سنہ ۱۹۶۶ء

کرمفرمائے من   آداب

معافی چاہتا ہوں کہ آپ کے گرامی نامہ کا جواب اتنی تاخیر سے دے رہا ہوں مصروفیات کا یہ عالم ہے کہ بیشتر ضروری کام کرنے سے رہ جاتے ہیں۔ کچھ عمر کا تقاضا بھی ہے۔

یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے غالب کے فارسی کلام کا معتدبہ حصہ اردو نظم میں منتقل کر لیا ہے۔ کام مشکل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب سید عابد علی صاحب مدظلہ اس کی تعریف فرما رہے ہیں تو یہ عمدہ بھی ہوگا۔ اگر آپ نمونہ کے طور پر کچھ بھیج سکیں تو میں بھی اس سے محظوظ ہو سکونگا۔

افسوس کہ "ادبی دنیا" میں جو غزلیں شائع ہوئی تھیں وہ میری نظر سے نہیں گذریں۔

میرا خیال تھا کہ اس کتاب کی اشاعت کے امکانات آپکے وہاں یہاں سے کہیں زیادہ ہیں آپ نے اس کے بالعکس لکھا ہے یہ پڑھ کر کچھ تعجب ہوا۔

والسلام والاکرام

خاکسار

مالک رام

غزلیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ای بخلا و ملا خوی تو ہنگامہ زا[1] / با ہمہ در گفتگو[2]، بی ہمہ با ماجرا

شاہدِ حسن ترا، در روشِ دلبری / طرّۂ پرخم صفات، موی میاں ما سوا

دیدہ وراں را کند دیدِ تو بینش فزوں / از نگہِ تیز رو گشتہ نگہ توتیا

آب ز بخششی بزور خونِ سکندر بدر / جاں نپذیری بہیچ نقدِ خضر ناروا

بزمِ ترا شمع و گل خستگیِ بوتراب / سازِ ترا زیر و بم واقعۂ کربلا!

نکتبیانِ ترا قافلہ بی آب و ناں / نعمتیانِ ترا مائدہ بی اشتہا

گرمیِ نبضِ کسی کز تو بدل داشت سوز / سوختہ در مغزِ خاک ریشۂ دار و گیا

مصرفِ زہرِ ستم دادہ بیادِ توام / سبز بود جائے من در دہنِ اژدہا

کم مشمر گریہ ام زاں کہ بعلمِ ازل / بودہ دریں جوی آب گردشِ ہفت آسیا

سادہ ز علم و عمل مہرِ تو ورزیدہ ایم / مستیِ ما پایدار بادۂ ما ناشتا

خلد بہ غالب سپار زانکہ بداں روضہ در / نیک بود عندلیب خاصہ نوآئیں نوا

---

[1] آج کل کے خلائی دور میں "خلا" "ملا" اور ہنگامہ خصوصی توجہ کا طالب نکتہ ہے۔

[2] خدا کی گفتگو سے ہر تعلیمی، ذہنی، روحانی، جبلی اور فطری رجحان نیز "کن فیکون" اور "اَلَستُ بِرَبِّکُم" مراد ہے کیونکہ غالب کا اشارہ "با ہمہ" ہر مخلوق اور ہر رو بہ ارتقا اس خدائی گفتگو کا متقاضی ہے۔

جو تھا بس ہو چکا ہے۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے کہ خلا و ملا میں ہے تو ہنگامہ زا
با ہمہ تو ہم سخن، بے ہمہ با ماجرا

یوں ہے تو جلوہ فروز دلبری کی شان میں
گیسو میں گویا صفات اور کمر ماسوا

دیکھنے والوں کو دید تیری بصارت فروز
ایک نگہ تیز رو خود ہے سرمہ نگہ کا

زور سے لے کون آب، خونِ سکندر روا
لے نہ تو جاں مفت بھی، نقد خضر ناروا

بزم کی زینت تری خستگی بوتراب
ساز کا ہے زیر و بم واقعۂ کربلا

غمزدوں کا ہے ترے فاقہ بے آب و نان
نعمتیوں کو ترے مائدہ ہے اشتہا

سوزِ غم سے جو ترے نبض ہے آتش بجاں
وہ جلائے زیرِ خاک ریشۂ دار و گیا

عشق میں تیرے ہوں میں مصرفِ زہرِ ستم
سبز ہے میرا نشاں در دہانِ اژدہا

کم نہیں گریہ مرا، کیونکہ بعلمِ ازل
تھی اسی گرداب میں گردشِ ہفت آسیا

علم و عمل سے تہی، دل میں ہے الفت تری
مستی اپی پائدار بن پیے مے دائما

خلد تو غالب کو بخش تا کہ ہو اس باغ میں
خوب ایک عندلیب، طرفہ نرالی نوا

---

۱ خلوت و جلوت ۲ رونق افزا۔ ہنگامہ پرور ۳ سب کے ساتھ ۴ تنہا ۵ حوادث عالم ۶ دسترخوان ۷ بھوک ۸ جڑ ۹ علاج معالجے میں کام آنے والے پودے ۱۰ ظلم و ستم کے زہر کے قابل ۱۱ سانپ کے منہ میں ۱۲ سات آسمان

عیش و غم در دل نمی استد خوشا آزادگی!
بادہ و خونابہ یکسانست در غربال ما
ما ہمائے گرم پروازیم فیض از ما مجوی!
سایہ ہمچوں دود بالا میرود از بال ما
خضر در سرچشمۂ حیواں فرو غلطید نش
لغزش پائیست کش رو دادہ در دنبال ما

آشنایانہ کشد خارِ رہت دامن ما!
گوی ایں بود ازیں پیش بہ پیراہن ما
بی تو چوں بادہ کہ در شیشہ ہم از شیشہ جداست
نبود آمیزشِ جاں، در تنِ ما با تنِ ما
سایہ و چشمہ بصحرا دم عیشی دارد!
اگر اندیشۂ منزل نشود رہزنِ ما
سخنِ ما ز لطافت نہ پذیرد تحریر:
نشود گرد نمایاں ز رم توسنِ ما
ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فنِ ما

عیش و غم ٹھہریں نہ دل میں اے خوشا آزادگی
بادہ یا خونابہ اس چھلنی میں ہے بس ایک سا
ہم ہما ہیں گرمِ پرواز! ہم سے پائے فیض کون
سایہ اپنا ہم سے اُوپر ہے دُھوآں سا اُڑ رہا
خضر کیسے چشمۂ حیواں میں غوطہ زن ہوا
جب تعاقب میں ہمارے دوڑا ٹھوکر کھا گیا

خارِ رہ کھینچتا ہے یوں ترا دامن اپنا
جیسے پہچانے کوئی سابقہ مسکن اپنا
شیشے میں مے ہو الگ شیشے سے یونہی تجھ بن
جان سے اپنی نہیں ملتا ہے یہ تن اپنا
سایہ و چشمہ سے راحت تو ملے صحرا میں
فکرِ منزل نہ ہو گر آپ ہی رہزن اپنا
وہ لطافت ہے سخن میں کہ نہ تحریر میں آئے
گرد اٹھتی نہیں جیتا ہے جو توسن اپنا
ہم کہاں راضی تھے اس مرتبہ پر اے غالب
خود بخود شعر نے چاہا کہ بنے فن اپنا

زمن گرت نبود باور انتظار، بیا
بہانہ جوی مباش و ستیزہ کار بیا
بیک دو شیوہ ستم، دل نمی شود خرسند
بمرگِ من! کہ بسامانِ روزگار بیا
بہانہ جوست در الزامِ مدعی، شوقت
یکے برغمِ دلِ ناامیدوار بیا
ہلاکِ شیوۂ تمکیں مخواہ مستان را
عناں گسستہ تر از بادِ نوبہار بیا
ز ما گسستی و با دیگراں گرو بستے
بیا کہ عہدِ وفا نیست استوار بیا
وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد:
ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا
تو طفلِ سادہ دل و ہمنشیں بدآموز ست
جنازہ گر نتواں دید بر مزار بیا

فریب خوردۂ نازم چہا نمی خواہم
یکے بپرسشِ جانِ امیدوار بیا
زخوئے تست نہادِ شکیب نازک تر
بیا کہ دست و دلم میرود ز کار بیا
رواجِ صومعہ ہستی ست زینہار مرو
متاعِ میکدہ مستیست ہوشیار بیا
حصارِ عافیتے گر ہوس کنی غالب
چو ما بحلقۂ رندانِ خاکسار بیا

نہیں جو مانتے تم میرا انتظار، آؤ
بہانہ جو، نہ بنو! ہاں ستیزہ کار آؤ

ستم کی اک دو ادا سے نہیں یہ دل خورسند
بلا ہو، موت ہو، آشوبِ روزگار آؤ

تمہارے شوق کو الزامِ مدعی کا ہے عذر
کبھی برغمِ دلِ نا امیدوار آؤ

ہلاکِ شیوۂ تمکیں نہ کیجیے مستوں کو
عناں گسستہ مرے ابرِ نوبہار آؤ

جو ہم سے کٹ کے بندھا غیر سے تو عہدِ نیا
جہاں میں عہدِ وفا کب ہے استوار آؤ

جدا جدا ہے وداع اور وصل کی لذت
ہزار بار اگر جاؤ، لاکھ بار آؤ!

ہو تم تو سادہ مگر ہمنشیں ہے بد آموز
جنازہ مل نہ سکے گا سرِ مزار آؤ

فریب خوردہ ہوں میں ناز کا اسے چھوڑو
برائے پرسشِ جانِ امیدوار آؤ

تمہاری خو سے سرشتِ شکیب نازک ہے
چلا میں، صبر کا دامن ہے تار تار آؤ

رواجِ صومعہ ہستی ہے، مت اُدھر جاؤ
متاعِ میکدہ مستی ہے ہوشیار آؤ

حصارِ امن کی خواہش ہے گر تمہیں غالب
اِدھر ہے حلقۂ رندانِ خاکسار آؤ

چوں بہ قاصد بسپرم پیغام را
رشک نگذارد کہ گویم، نام را

گشتہ در تاریکیٔ روزم نہاں
کو چراغی، تا بجویم شام را

آں میَم باید کہ چوں ریزم بجام
زورِ مے در گردش آرد جام را

بے گناهم پیرِ دیر از من مرنج
من بمستی بستہ ام احرام را

از دلِ تست آنچہ بر من می رود
می شناسم سختیٔ ایّام را،

زحمتِ عام است دائم خاص را
عشق خاص ست بردم عام را

بسکہ ایمانم بغیب است استوار
از دہانِ دوست خواہم کام را

ماکجا اوکو؟ چہ سودا در سرست
ذرہ ہائے آفتاب آشام را

دِلستاں در خشم غالبؔ بوسہ جوئے
شوق نشناسد ہمے ہنگام را

نذرِ قاصد جب کروں پیغام کو
رشک سے لاؤں نہ لب پر نام کو

میرے دن کی ظلمتوں میں گُم ہوئی
گر دیا ہو ڈھونڈ لوں میں شام کو

ایسی مے ہو جب میں ڈالوں جام میں
جوش سے گردش میں لائے جام کو

بے خطا ہوں گر معاف لے پیرِ دَیر
باندھا مستی ہی میں تھا احرام کو

مجھ پہ جو گزری وہ تھی تیری رضا
جانتا ہوں ، سختیٔ ایّام کو

عام اور دائم ہے زحمت خاص کو
عشرتیں ہیں خاص ہر دم عام کو

غیب پر ایمان پختہ ہے مرا
خود "دہن" سے ان کے چاہوں کام کو

ہم کہاں وہ کون ؟ یہ سُوجھی ہے کیا
ذرّہ ہائے آفتاب آشام کو

در ہجر طرب بیش کند تاب و تبم را
مہتاب کفِ مار سیاہست شبم را

آوخ کہ چمن جستم و گردوں عوضِ گل
در دامنِ من ریختہ پائے طلبم را

ساز و قدح و نغمہ و صہبا ہمہ آتش
یابی ز سمندر رہِ بزمِ طربم را

از لذتِ بیدادِ تو فارغ نتواں زیست
دریاب عیارِ گلہٴ بے سببم را

در من ہوسِ بادہ طبیعست کہ غالب
پیمانہ بہ جمشید رساند نسبم را

افسوس چمن ڈھونڈنے نکلا ہیں، فلک نے
دامن میں مرے پھینک دیا پائے طلب کو

ہیں ساز و قدح نغمہ و صہبا سبھی آتش
پاؤ گے سپند سے مری بزم طرب کو

بے لذّتِ بیداد ہوا جینا بھی مشکل
پہچان مرے شکوۂ بے کیف و سبب کو

مجھ میں ہوس بادہ ہے طبعی جو ملائے
جمشید سے پیمانہ مرے حسب و نسب کو

شکستِ رنگ تا رسوا نسازد بیقراراں را
جگر خونست از بیم نگاہبت راز داراں را

زپیکانہائے ناوک، در دل گرمم نشاں نبود
برنگستاں چہ جوئی قطرہ ہائے آب باراں را

بود پیوستہ پشت صبر بر کوہ از گرانجانی
چہ افسوں خواندۂ در گوش دل امیدواراں را

کفِ خاکیم از ما بر نخیزد جز غبار آنجا
فزوں از صرصر نبود قیامت خاکساراں را

بہ ترکِ جادہ گو تا گردش ایام برخسپ ہم زد
سر گلگشت ناب دائم در نظر دارد بہاراں را

در آ بجو و بازی گاہِ الحسن تا بینی
بروئے شعلہ گرم مشق جولاں نی سواراں را

نگشت از سجدۂ حق جبہہ زہا و نوائی
چناں کافروخت روئے بادہ تاب بادہ خواراں را

دریغ آگاہیے کافسردگی گردد سرد برگشش
زمستی بہرہ جز غفلت نباشد ہوشیاراں را

زغیرت مے گدازد در خجالت گاہ تاثیرم
زبوں دیدن بدست شیشہ سازاں کوہساراں را

برنجم غالب از ذوق سخن خوش بودے ار بودے
مرا لختی شکیب و پارۂ انصاف یاراں را

شکستِ رنگ رسوا کر نہ دے ان بیقراروں کو
نگاہوں سے تری یہ ڈر ہے غم کے رازداروں کو
نہیں دل میں نشانِ زخمِ ناوک تک کوئی باقی
کہ ریگستان کرتا جذب ہے بارش کے دھاروں کو

ہوئی ہے پختہ پشتِ صبر مثلِ کوہسار اُن کی
کیا مسحور کیسے تو نے ان امیدواروں کو
ہیں مشتِ خاک ہم جز گرد کیا نکلے گا کل ہم سے
نہ صرصر سے فزوں ہوگی قیامت خاکساروں کو
تو ترکِ جاہ کر، یہ گردشِ ایّام پھر جائے
جو ہے بے اُگ دیکھے وہ سدا تازہ بہاروں کو
تو بے خود ہو کے بازی گاہِ اہلِ حسن میں آجا!
کہ دیکھے پیشِ شعلہ گرم رقص ان نغمہ کاروں کو
دریغ! آگاہی سے افسردگی نکلی جو بالآخر
بجز غفلت نہ ہستی سے ملے کچھ ہوشیاروں کو
نہ جھکی سجدۂ حق سے کبھی زاہد کی پیشانی
مگر روشن جبیں کرتا ہے بادہ خواروں کو
تری تاثیرِ غیرت سے پگھل کر ہو گئی غائب
زبوں دیکھا جو پیشِ شیشہ بازاں کوہساروں کو
مرا ذوقِ سخن بھی غم اگر ہوتا تو لازم تھا،
مجھے قدرے شکیب اور ذرّہ بھر انصاف یاروں کو

مدام محرم صہبا بود پیالۂ ما
بگردِ مہر تنیدست خطِ ہالۂ ما

زبسکہ گرمئ خوبیت نفس گرامایہ
گدازِ نازِ ما آبیارِ نالۂ ما

چمن طرازِ جنونیم و دشت و کوہ از ماست
بہ مہرِ داغِ شقائق بود قبالۂ ما

بدل، ز جورِ تو، دندان فشردہ ایم و خوشیم
ز استخوان اثری نیست در نوالۂ ما

تو زود مستی و ما رازدارِ خوئے توایم
شراب درکش و پیمانہ کن حوالۂ ما

درازئ شبِ ہجران ز حد گذشت، بیا
فدائے روئے تو عمرِ ہزار سالۂ ما

ہمیں گداختن ست آبروئے ما غالب
گہر چہ ناز فروشد بہ پیشِ ژالۂ ما

ازنست اگر ساختہ پرداختۂ ما
کفرے بنود مطلبِ بے ساختۂ ما

پروردۂ نازیم برحمتکدۂ عجز
برپائے تو باشد سرِ افراختۂ ما

حیرانئ ما آئینہ شہرتِ یارست
شد جادہ بکویش نفسِ باختۂ ما

ہمیشہ محرمِ مے رہتا ہے پیالہ مرا
ہے زیبِ گردنِ خورشید خطِ ہالہ مرا

ہے تیری گرمیِ خو سے نفس گرا نمایہ
گدازِ نالہ ہی ہے آبیارِ نالہ مرا

میں باغبانِ جنوں، کوہ و دشت ہیں میرے
ہے مُہرِ داغ مصفّا سے پرُ قبالہ مرا

تمہارے ظلم سے دانتوں کو دل میں گاڑ لیا
کب استخواں کا اثر رکھتا ہے نوالہ مرا

درازیِ شبِ ہجراں بڑھی ہے حد سے تو آ
نثار تیرے پہ عہدِ ہزار سالہ مرا

جنوں نے صحرا کو تشکیلِ گلستاں دی ہے
سوادِ دیدۂ آہو ہے داغِ لالہ مرا

ہے آبرو بھی اپنی، یہ اپنا سوز و گداز
خجل مگر بھی ہو دیکھے جو اشکِ ژالہ مرا

ہے تجھ سے اگر ساختہ پرداختہ اپنا
پھر کفر ہے کب مطلب بیساختہ اپنا

رحمتکدۂ عجز ہیں نازوں سے پلے ہم
ہے پاؤں پہ تیرے سرِ افراختہ اپنا

آئینۂ شہرت تجھے حیرانی ہماری
رہبر ترے گھر کا نفسِ باختہ اپنا

رازِ خوبیت از بد آموزِ تو می جوئیم ما
از تو می گوئیم گر با غیر می گوئیم ما

حشرِ مشتاقاں ہماں بر صورتِ مژگاں بود
مرز خاکِ خویشتن چوں سبزہ می روئیم ما

رازِ عاشق از شکستِ رنگ رسوا می شود
با وجودِ سختِ جانیہا تنک روئیم ما

زیں بہار آئیں نگاہاں بو کہ بپذیر دیکے
عمرہا شد رُخ بخونِ دیدہ می شوئیم ما

آفتابِ عالمِ سرگشتگی ہائی خودیم
می رسد بوئے تو از ہر گل کہ می بوئیم ما

تا چہ مجموعۂ لطفِ بہاراں بودہ
تا بزانو سودہ پای ما و می پوئیم ما

زحمتِ احباب نتواں داد غالب بیش ازیں
ہر چہ می گوئیم بہرِ خویش می گوئیم ما

راز تیری خو کا بد آموز سے پاتے ہیں ہم
تجھ سے ہی کہنے ہیں جو کچھ غیر سے کہتے ہیں ہم

صورتِ مژگاں ہی ہوگا تیرے مشتاقوں کا حشر
خاک سے خود اپنی مثلِ سبزہ اگ اٹھتے ہیں ہم

رازِ عاشق ہوتا ہے رسوا شکستِ رنگ سے
سخت جانی پر بھی اتنے نرم رُو ہوتے ہیں ہم

اِن بہار آئیں نگاہوں کی قبولیت کہاں
عمر گزری خونِ دیدہ سے ہی منہ دھوتے ہیں ہم

ہم ہیں اپنے عالمِ سرگشتگی کے آفتاب
تیری خوشبو دیتا ہے ہر پھول جو چھوتے ہیں ہم

کس قدر مجموعۂ لطفِ بہاراں تم ہوئے
پاؤں خستہ زانو تک، پھر بھی بڑھے جاتے ہیں ہم

دوستوں کو ہو نہ زحمت بیشتر اس سے کہیں
جو بھی کہتے ہیں وہ اپنے واسطے کہتے ہیں ہم

بادهٔ مشکبوئی ما بید و کنار کشت ما
کوثر و سلسبیل ما، طوبیٰ ما بہشت ما

بسکہ غم تو بوده است تعبیہ در سرشت ما
نسخهٔ فتنہ می برد، چرخ ز سرنوشت ما

حسرت وصل از چہ رو چوں بخیال سرخوشیم
ابر اگر بایستد، بر لب جوست کشت ما

نورِ خرد در آگہی خواہشِ تن پدید کرد
صرف زقومِ دوزخست نامیہ در بہشت ما

ایں ہمہ از عتاب تو ایمنیٔ عدو چراست
اے بہ بدی و ناخوشی خوئے تو سرنوشت ما

بیخطر از خودی برآ، لب بہ انا الصنم کشا،
شیوهٔ گبر و دار نیست در کنشِ کنشت ما

بادہ اگر بود حرام، بذلہ خلافِ شرع نیست
دل نہی بخوب ما، طعنہ مزن بزشت ما

گفت بحکم حسرتی غالب خستہ ایں غزل!
شاد بہیچ می شود طبعِ وفا سرشت ما

اپنی شراب اپنی شاخِ بید اور کنارِ کشت
ہم کو ہیں کوثر و سلسبیل، ہم کو ہیں طُوبیٰ و بہشت

تیرا یہ سوزِ غم ہمیں، ہو چکا رونقِ طبع!
نسخہ ہے فتنۂ چرخ گویا یہ اپنی سرگزشت

حسرتِ وصل ہو تو کیوں ہم ہیں خیال ہی سے خوش
ابر اُٹھے تو غم نہیں، بر لبِ جُو ہے اپنی کشت

تیرے عتاب سے عدُو اپنا بچے تو کس طرح
ناخوشی اور بدی میں خُو تیری ہے اپنی سرنوشت

چھوڑ خودی کو بیخطر، منہ سے انا الصنم پکار
شیوۂ گیر و دارِ شرع یاں نہیں یہ تو ہے کنشت

بادہ حرام ہی سہی، بذلہ نہیں خلافِ شرع
جب نہیں آفریں خوب چھوڑ یہ طعنہ ہائے زشت

دل تابِ ضبطِ نالہ ندارد جدائیُ را
از ما جنونِ گریۂ بے ہائے ہائے را
آید بچشم روشنیٔ ذرّہ آفتاب
بر ہر زمیں کہ طرح کنی نقشِ پائے را
مشتاقِ عرضِ جلوۂ خویش ست حسنِ دوست
از قرب مژدہ دِہ نگہِ نارسائے را
آشفتگی بر اوجِ فنا بال می زند
اے شعلہ داغ گرد نگہدار جائے را
واماندگیست پے سپرِ وادیٔ خیال
شوقِ تو جادہ کرد رگِ خوابِ پائے را
سر منزلِ رسائیٔ اندیشۂ خودیم
در ما گم ست جلوۂ بے رہنمائے را
از پیچ و تابِ آز ستوہند سرکشاں
انگشتِ زینہار شمر ہر لوائے را
حسنِ بتاں ، ز جلوۂ نازِ تو ، رنگ داشت
بیخود ، بہ بوئے بادہ کشیدیم لائے را
غالب بریدم از ہمہ خواہم کہ زیں سپس
کنجے گزینم و بپرستم خدائے را

کہتا ہے ضبطِ نالہ کی اس نارسا کو تو
مت مانگ مجھ سے گریۂ بے ہاؤ ہا کو تو

ہر ذرّے کی چمک سے وہاں رشکِ آفتاب
جس جس جگہ پہ ثبت کرے نقشِ پا کو تو

مشتاق اپنے جلوے کا تھے خود ہی حسنِ دوست
دے مژدہ قرب کا نگہِ نارسا کو تو

آخر فنا کو ملتے ہیں بال و پرِ بقا
اے شعلہ داغ بن کے پہنچ جا بقا کو تو

واماندگی بھی خود ہے رسائی کی اک سبیل
جادہ سمجھ لے اپنی رگِ خفتہ پا کو تو

سر منزلِ رسائیِ اندیشہ ہم ہیں آپ
گم خود میں کرے جلوۂ بے راہنما کو تو

ہیں پیچ و تاب آز سے سرکش تمام تک
انگشتِ زینہار سمجھ ہر ہوا کو تو !

حسنِ بتاں میں ناز کا تیرے ہی رنگ ہے
خود بوئے مے سے پائے اب مینا کی لا کو تو !

غالبؔ تو سب سے کٹ کے اب اس سیاس میں
گوشے میں بیٹھ یاد کیا کر خدا کو تو

لرزه دارد خطر، از هیبت ویرانهٔ ما
سیل را، پاے بسنگ آمده در خانهٔ ما

تنگیش نام بر آورده تماشا دارد
در پے مور فرو رفتن کاشانهٔ ما

بچراغی نرسیدیم درین تیره سرا
شمع خاموش بود طالع پروانهٔ ما

خوش فرو میرود افسون رقیبت در دل
پنبهٔ گوش تو گردد مگر افسانهٔ ما

مو برآید ز کف دست اگر دهقان را
نیست ممکن که کشد ریشه سر از دانهٔ ما

خطرہ ڈر جاتا ہے خود دیکھ کے ویرانہ مرا
سنگِ راہ بنتا ہے طوفان کو کاشانہ مرا

تنگیٔ خانہ کی شہرت کا تماشا دیکھو
خود رواں چیونٹی کے پیچھے ہوا ایں خانہ مرا

مجھ کو اس تیرہ سرا میں نہ ملا کوئی چراغ
شمعِ خاموش پہ مرتا رہا پروانہ مرا

غیر کی بات اُتر جاتی ہے دل میں تیرے
پنبۂ گوش مگر بنتا ہے فسانہ مرا

بال اُگ سکتا ہے دہقاں کی ہتھیلی میں مگر
غیر ممکن کہ اُگے بویا ہوا دانہ مرا

درین روش بچہ امید تواں بستن
میانۂ من و او شوق حائل افتاد است
بصبر کم نیم امّا عیّارِ اسلوبے
بقدر آنکہ گرفتند کامل افتاد است

قضا در کارہا اندازۂ ہر کس نگہدارد
بقطعِ وادیٔ غم می گمارد تیز گاماں را

خرامیم و رضایش در خرابیہاے ما باشد
ز چشم بد نگہدارد خدا ما دوست کاماں را

بسا افتادہ سرمست و بسا افتادہ در طاعت
تو دانی تا بہ لطف از خاک برداری کداماں را

ز قاتل مژدۂ زخمی گلم در جیب جاں ریزد
نشاط انگیز باشد بوے خوں خونیں مشاماں را

جہاں را خاصی و عامی ست آں مغرور ایں عاجز
بیا غالب ز خاصاں بگزر و بگزار عاماں را

بنے تو کیا بنے اس حال میں امید کی صورت
کہ ان کے اور میرے درمیاں بس شوق حائل ہے
نہیں ہوں صبر میں کم میں بھی لیکن صبر ایوبی
ہوا مقبول تو یہ کہہ دیا سب نے کہ کامل ہے

قضا ہر ایک کا اندازہ رکھتی ہے نگاہوں میں
جو سونپا وادیٔ غم کا سفر ہم تیز گاموں کو

اسی کی ہے رضا ہم کو خراب و خستہ رکھنے کی
خدا پوشیدہ رکھے چشم بد سے دوستکاموں کو

بسا افتادہ مستی میں، بسا افتادہ طاعت میں
خبر کیا خود اٹھاتے لطف ہیں وہ کن غلاموں کو

ملا قاتل سے مژدہ زخم کا تو جاں میں جاں آئی
نشاط انگیز ہے یہ بوئے خوں خونیں مشاموں کو

خواص و عامی ہیں دنیا میں، وہ مغرور یہ عاجز
تو اے غالب گزر خاصوں سے بھی اور چھوڑ عاموں کو

ردیفِ بائے موحّدہ

عالم آئینۂ رازست، چہ پیدا، چہ نہاں
تابِ اندیشہ نداری، بہ نگاہی دریاب

گر بمعنی نرسی، جلوۂ صورت چہ کمست
خمِ زلف و شکنِ طرفِ کلاہی دریاب

غمِ افسردگیم سوخت کجائی اے شوق!
نفسم را بہ پرافشانیِ آہی دریاب

تا چہ آئینۂ حسرتِ دیدارِ تو ایم
جلوہ برخود کن و ما را بہ نگاہی دریاب

تو در آغوشِ دوست و دلم از کار شدہ
تشنہ بے دلو و رسن بر سرِ چاہی درآب

داغِ ناکامیِ حسرت بود آئینۂ وصل — شبِ روشن طلبی روزِ سیاہی دریاب
غالب و کشمکشِ بیم و امیدش ہیہات — یا بہ تیغی بکش و یا بہ نگاہے دریاب

دہر ہے آئینۂ اسرار کا ظاہر باطن
گر نہیں تابِ تفکر تو نگہ بھی ہے بہت

گر تجلّی نہیں معنی کی تو صورت ہی سہی
خمِ زُلف اور شکنِ طرفِ کلہ بھی ہے بہت

غم افسردگی نے مارا کہاں تو اے شوق
سانس کو میرے پریشانیٔ آہ بھی ہے بہت

کس قدر آئینۂ حسرتِ دیدار ہیں ہم!
خود کو دیکھو تو وہی ہم کو نگہ بھی ہے بہت

تو ہے آغوش میں اور گزرا دل و دست سے ہیں
تشنہ بے دلو و رسن بر سرِ چہ بھی ہے بہت

داغِ ناکامیٔ حسرت ہے آئینۂ وصل
شبِ روشن کے عوض روز سیہ بھی ہے بہت

غالبؔ اور کشمکشِ بیم و امید اسکی حیف
قتل کر تیغ سے یا اس کو نگہ بھی ہے بہت

جنوں محمل بصحرائے تحیر راندہ ست امشب
نگہ در چشم و آہم در جگر واماندہ است امشب

بذوقِ وعدہ سامانِ نشاطی کردہ پندارم
ز فرشِ گل بروئے آتشم بنشاندہ است امشب

خیالِ وحشت از ضعفِ رواں صورت نمی بندد!
بیاباں بر نگہ دامانِ ناز افشاندہ است امشب

دل از من عاریت جُستند اہلِ لات و دانستم
سمندر بیں غریباں را بدعوت خواندہ است امشب

زہے آسایشِ جاوید! ہمچوں صورتِ دیبا
نمِ زخمم تن و بستر بہم چسپاندہ است امشب

بقدرِ شامِ ہجرانش درازی باد عمرش را
فلک نیز از کواکب سبحہ ہا گرداندہ است امشب

بخوابم میرسد بندِ قبا واکردہ از مستی
ندانم شوقِ من بروے چہ افسوں خواندہ است امشب

بدستِ کیست زلفت کایں دلِ شوریدہ می نالد
سرِ زنجیرِ مجنوں را کہ می جنباندہ است امشب

خوش است افسانۂ دردِ جدائی مختصر غالب
بمحشر می تواں گفت آنچہ در دل ماندہ است امشب

جنوں نے رُخ "بصحرائے تحیر" کر لیا امشب
ہے واماندہ جگر میں آہ آنکھوں میں نگاہ امشب
خرد نے سُنکر کیا سامان ستر کا
بجائے خاک مجھ کو نذرِ آتش کر دیا امشب
جنوں کی استواری ضعف جاں سے ہو نہیں سکتی
ہوا دامانِ صحرا سے نظر کا سامنا امشب
سخنور جب ہوئے طالب مرے دل کے تو میں سمجھا
غریبوں کو ہے قلزم کا بلاوا آگیا امشب
ہوئی آسائش جاوید حاصل مثلِ خوشروئی
تن و بستر کو خونِ زخم نے باہم کیا امشب
بقدرِ شامِ ہجراں عمر میں اس کی درازی ہو
فلک بھی تاروں کی ہے ٹبی مال پھیرتا امشب
کھلے بندِ قبا مستی سے، بیرے خواب میں آئے
نہ جانے شوق نے کیا اس پہ جادو کر دیا امشب
ہیں کس کے ہاتھ میں زلفیں تری جلتا ہے دل میرا
سرِ زنجیرِ مجنوں کو یہ کس نے مس کیا امشب
ہے اچھا دردِ فرقت کا فسانہ مختصر غالبؔ!
کہیں گے حشر میں باقی جو ہم سے رہ گیا امشب

از اندہ نایافت قلق می کنم امشب

گر پردۂ ہستی ست کہ شق می کنم امشب

ہاں آئینہ بگذار کہ عکسم نہ فریبد

نظارۂ یکتائی حق می کنم امشب

آتش بہ نہادم شدہ آب از تفِ مغزم

از تب نبود، اینکہ عرق می کنم امشب!

جاں بر لبم اندازۂ دریا کشیم نیست

از می طلب سدِّ رمق می کنم امشب

از ہر بنِ مُو چشمۂ خوں باز کشادم

آرائش بستر ز شفق می کنم امشب

مے می چکد از لعل لبش در طلب نقل

مستی ز کواکب بہ طبق می کنم امشب

نازم سخنش را و نیابم دہنش را

خوش تفرقہ در باطل و حق می کنم امشب

عمریست کہ قانون طرب رفتہ ز یادم!

آموختہ را باز سبق می کنم امشب

محرومیٔ غم کا بھی قلق کرتا ہوں میں آج
گر پردۂ ہستی ہے تو شق کرتا ہوں میں آج

چھوڑا آئینہ پہ عکس کا جادو نہیں چلتا
نظارۂ یکتائیٔ حق کرتا ہوں میں آج

آتش سے طبیعت کی ہوا مغز بھی پانی
تپ سے نہیں پیدا جو عرق کرتا ہوں میں آج

جاں لب پہ ہے اندازۂ دریاکشی معلوم
مے سے طلب سدِ رمق کرتا ہوں میں آج

ہر رونگٹا اک چشمۂ خونبار بنا ہے
رنگینیٔ بستر سے شفق کرتا ہوں میں آج

مرتا ہوں سخن پر نہیں پاتا ہوں دہن کو
کیا تفرقۂ باطل و حق کرتا ہوں میں آج

مدت ہوئی قانونِ طرب یاد سے بھولا!
پھر یاد وہی بھولا سبق کرتا ہوں میں آج

ردیف بائے فارسی

سحر دمیده و گل در دمیدنست مخسپ
جہاں جہاں گل نظاره چیدنست مخسپ

مشام را به شمیم گلے نوازش کن!
نسیم غالیہ سا در وزیدنست مخسپ

زخویش حسن طلب بین و در صبوحی کوش
می شبانہ ز لب در چکیدنست مخسپ

ستارۂ سحری مژدہ سنج دیداریست
ببیں کہ چشم در پریدن ست مخسپ

تو محو خواب، و سحر در تأسف، از انجم
بہ پشت دست بدنداں گزیدنست مخسپ

نفس ز نالہ بہ سنبل در ودنست، بخیز
زخونِ دِل، مژہ در لالہ چیدنست مخسپ

نشاط گوش بر آواز قلقل است بیا
پیالہ چشم براہ کشیدنست مخسپ

نشان زندگی دل دویدنست، ما یست
جلائے آئینۂ چشم دیدنست مخسپ

زدیده سود حریفاں کشودنست بلند
زدِل مراد عزیزاں تپیدنست مخسپ

بذکر مرگ شبی زنده داشتن ذوقیست
گرت فسانۂ غالب شنیدنست مخسپ

دمک اُٹھی ہے سحر گُل چٹک رہے ہیں نہ سو
چنیں نظارہ کے پھولوں کو ایک ایک نہ سو

مشامِ جاں کو ذرا تو شمیمِ گُل سے نواز
نسیمِ غالیہ سا آ یا چاہتی ہے نہ سو

تو اپنا حسنِ طلب دیکھ اور صبوحی لا!
مئے شبانہ لبوں سے ٹپک رہی ہے نہ سو

ستارہ صبح کا لایا ہے مژدۂ دیدار۔
نظر فلک کی اڑا چاہتی ہے دیکھ نہ سو

تو سو رہا ہے اسحر سوگ میں ستاروں کے
ہے کاٹ کھانے کو اپنے ہی ہاتھ جاگ نہ سو

نفس کو نالے سے سنبل میں ہے سمونا ہمیں
پروئیں لالہ کو مژگانِ خوں فشاں ہیں نہ سو

نشاطِ گوش ہوئی ہے صدائے قلقلِ سُن
پیالہ چشم براہ ہو کے پی لیں، جاگ نہ سو

نشانِ زندگیِ دِل، یہی تڑپ ہے نہ ٹھہر
نکھرتا آنکھ کا شیشہ ہے دیکھنے سے نہ سو

ہے راہنمائے حریفاں یہ آنکھ بند نہ کر
مرادِ دوست ہے دل کا تڑپتے رہنا نہ سو

ردیف تائے فوقانی

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ ست
آری کلامِ حق بزبانِ محمدؐ ست

آئینہ دارِ پرتوِ مہر ست ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ ست

تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق ست
اما کشادِ آں ز کمانِ محمدؐ ست

دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وارسی!
خود ہرچہ از حقست ازآں محمدؐ ست

ہر کس قسم بدانچہ عزیزست می خورد
سوگندِ کردگار بجانِ محمدؐ است

واعظ حدیثِ سایۂ طوبیٰ فرو گذار!
کاینجا سخن ز سروِ روانِ محمدؐ است

بنگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را
کاں نیمہ جنبشے ز بنانِ محمدؐ است

ور خود ز نقشِ مہرِ نبوت سخن رود
آں نیز نامور ز نشانِ محمدؐ است

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتم!
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

ہے جلوۂ خدا کہ بیانِ رسُول ہے!
خود حق کی ترجمان زبانِ رسُول ہے
پرتو ہے ماہتاب میں بھی آفتاب کا
مظہر خدا کی شانِ کی شانِ رسُول ہے
تیرِ قضا ہر آئینہ ہے حق کے ہاتھ میں
اس کی کشادگاہ کمانِ رسُول ہے
سمجھے اگر تو معنیٔ لولاک کہہ اُٹھے
یاں ہر عطا خدا کی بہ آنِ رسُول ہے
کھائے قسم اسی کی جسے جس کو عزیز ہو
سوگند کردگار بہ جانِ رسُول ہے
واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ کو چھوڑ دے
محفل میں ذکرِ سروِ روانِ رسُول ہے
دِل ماہ کا معاً وہاں دو نیم ہو گیا
جنبش کناں یہاں جو بنانِ رسُول ہے
چھیڑیں جو نقشِ مہرِ نبوّت کی بات آپ
وہ نامور ہوئی کہ نشانِ رسُول ہے
غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں بہ چھوڑ دے!!
وہ ذاتِ پاک مرتبہ دانِ رسُول ہے

یاد از عدو نیارم و اینهم ز دور بینیست
کاندر دلم گزشتن با دوست هم نشینیست

در عالمے خرابے از خیل منعمانم !
سیلم برخت شوئی برقم بخوشه چینیست

میرم ولی به ترسم کز فرطِ بدگمانی
داند که جاں سپردن از عافیت گزینیست

در باده دیر مستم آری ز سخت جانیست
در غمزه زود رنجی آری ز نازنینیست !

زیں خونچکاں نواها در باب ماجراها
هنگامه ام اسیری اندیشه ام حزینیست

دردِ شکستِ دل را رام صدا نخواهم
ساز شکایت من تارش ز موئے چینیست

سوزم دمی که یارم یاد آورد که غالب
در خاطرش گزشتن با غیر همنشینیست

یادِ عدو نہ لانا دل میں ہے دُور بینی
محبوب سے عدو کو یوں ہو نہ ہم نشینی

میں عالمِ خرابی میں بھی غنی ہوں، طوفاں
کرتا ہے رختِ شوئی اور برق خوشہ چینی

مرتا ہوں لیک ڈر ہے وہ کر کے بدگمانی
سمجھے نہ میرا مرنا ہے عافیت گزینی

ہے میری "دیر مستی" از وجہِ سخت جانی
اور تیری "زود رنجی" از وجہِ نازنینی

اس خونچکاں نوا سے ظاہر ہیں داستانیں
ہنگامہ ہے اسیری، اندیشہ ہے حزینی

دردِ شکستِ دل سے میرے صدا نہ نکلے
سازِ گلہ کا میرے ہے تارِ موئے چینی

جل اٹھتا ہوں وہ جس دم مجھ کو ہے یاد کرتا
ہے اس کے دل میں آنا دشمن سے ہمنشینی

لبِ شیرینِ تو جانِ نمکست
واین که گفتم بزبانِ نمکست
در نهادِ نمک از رشکِ لبت
هست شوری که فغانِ نمکست
ای شده لطف و عتابت همه ناز
ناز در عهدِ تو کانِ نمکست
ناز سرمایهٔ دیگر ز تو یافت
نمکِ خوانِ تو خوانِ نمکست
شور با مصرفِ فغانم کردند
نمک از حسرتیانِ نمکست
زخمِ ما پنبهٔ مرهم دارد
زین سفیدی که نشانِ نمکست
گر نمک سود کنی زخمِ دلم
سودِ زخمست و زیانِ نمکست
گفتی الماس فشاندم تو و حق
نازشِ من بگمانِ نمکست
نطقِ من مایهٔ من بس غالب!
خود نمک گوهرِ کانِ نمکست

لب شیریں ترا ہے جانِ نمک
کہہ رہا ہوں میں با زبانِ نمک
ہے نمک میں جو رشکِ لب سے ترے
کڑوا پن سا، وہ ہے فغانِ نمک
ہے عتاب و کرم ترا سب ناز
ناز گویا بنا ہے کانِ نمک!
ناز کو تیرے اور مایہ ملا
نمکِ[1] خواں ترا ہے خوانِ نمک
ہیں فغاں میں مری نہاں صد شور
طالب اس کا ہے کوہستانِ نمک
زخم کو وہ ہے چشمۂ مرہم
جو سفیدی کہ ہے نشانِ نمک
زخمِ دل پر جو ہو نمک سائی
زخم کا سود ہے زیانِ نمک

نطق میرا ہے میرا سرمایہ
خود نمک جیسے فخرِ کانِ نمک!

---

[1] تیرے دسترخوان کا نمک

سینہ بکشودیم و خلقے دید کاینجا آتش است
بعدازیں گویند آتش را کہ گویا آتش ست

ای کہ میگوئی تجلی گاہ نازش دور نیست
صبر مشتی از خس و ذوق تماشا آتش ست

بی تکلف در بلا بودن بہ از بیم بلاست!
قعر دریا سلسبیل و روی دریا آتش ست

گریہ دارم تا تحت الثریٰ آبست و بس،
نالہ دارم کہ تا اوجِ ثریا آتش ست

انتظارِ جلوۂ ساقی کبابم می کند
می بساغر آبِ حیوان و بہ مینا آتش ست

پاک خور امروز و زنہار از پئے فردا منہ
در شریعت بادہ امروز آب و فردا آتش ست

سینہ کھولا ہم نے لوگوں نے بتایا آگ ہے
بعد میں وہ آگ کو کہتے ہیں گویا آگ ہے
تو کہے اس کی تجلّی گہ نہیں ہے دُور تک
صبر ہے اک مشتِ خس ذوقِ تماشا آگ ہے
ہوتا ہے خوفِ بلا بدتر بلا سے بھی کہیں
قعرِ دریا سلسبیل اور روئے دریا آگ ہے
میرا گریہ عمق میں تحت الثریٰ تک آب آب
اور میرا نالہ تا اوجِ ثریا .... آگ ہے
انتظارِ جلوہ ساقی نے کر ڈالا کباب
جام میں ہے آبِ حیواں، زیبِ مینا آگ ہے
دُرد تک پی جا ، نہ کل کے واسطے رکھ ایک بُوند
مے شریعت میں ہے آب امروز ، فردا آگ ہے

تمام زحمتم از هستیم چه می‌پرسی
ز جسم لاغر خویشم به پیرهن خارست
بشب حکایت قتلم ز غیر می‌شنود!
هنوز فتنه بذوق فسانه بیدارست
بقامت من از آوارگیست پیرهنے
که خار رهگذرش پود و جاده‌اش تارست
غمم شنیدن و تلخی بجز فسرده رفتن
خوشا فریب ترحّم چه ساده کار پرکارست
ز آفرینش عالم غرض جز آدم نیست
بگرد نقطهٔ ما دورِ هفت پرکارست
نگاه خیره شد از پرتو رخش غالب
ز گونهٔ آینهٔ ما سراب دیدارست

مرا یہ حال کہ ہستی تمام زحمت ہے
ہے لاغری سے مرا جسم پیرہن میں خار

فسانہ قتل کا میرے عدو سے شب کو سنے
ہنوز فتنہ بذوقِ فسانہ ہے بیدار

ہے پیرہن کا مرے حال ہرزہ گردی سے
کہ خارِ راہ بنا اس کا پود عبادہ تار

وہ غم کا سن کے مرے اس کا کچھ لرز جانا
خوشا فریبِ زخّم ہے سادہ و پرکار

ہے آزینشِ عالم سے بس غرض آدم
ہمارے گرد پھرے ہفت چرخ کی پرکار

نگاہ خیرہ ہوئی اس کے رُخ کے پرتو سے
سرابِ دید ہے گویا یہ دیدۂ دیدار

سموم وادی امکاں زبس جگر تابست
گداز زهره خاکست بر کجا آبست

ز وضعِ روزنِ دیوار می‌تواں دانست
کہ چشمِ غمکدۂ ما براہِ سیلابست

ز وہم نقشِ خیالے کشیدۂ ورنہ!
وجودِ خلق چو عنقا بدہر نایابست

مرنج از شبِ تار و بیا بہ بزمِ نشاط
کہ پنبۂ سرِ مینائی بادہ مہتابست

ز نالہ کار باشک اوفتادہ دل خوں باد
ز شرمِ بی اثریہا فغان ما آبست

قوی فتادہ چو نسبت ادب مجو غالبؔ
ندیدۂ کہ سوئے قبلہ پشتِ محرابست

سمومِ وادیٔ امکاں سے ہے اسقدر جاں تاب
پگھل کے آب ہُوا زہرہ خاک کا جو ہے اب

ہے وضعِ روزنِ دیوار سے یہ خود ظاہر
ہمارے غمکدہ کی چشم ہے سوئے سیلاب

یہ خود ہمارا ہی نقشِ خیال ہے سارا
وجودِ خلق تو عنقا کی مثل ہے نایاب

ادب کی پھر نہیں حاجت قوی ہو جب نسبت
کہ سوئے قبلہ رہے پشتِ مسجد و محراب

یہ رونا دھونا ہمارا یہ اشک افشانی
ہے شرمِ بے اثری سے بنی فغاں ہی آب

هر ذرّه محوِ جلوهٔ حسنِ یگانه ایست
گوئی طلسمِ شش جهت آئینه خانه ایست

حیرت بدهر بی سر و پا می برد مرا
چون گوهر از وجودِ خودم آب و دانه ایست

ناچار با تغافلِ صیّاد ساختم!
پنداشتم که حلقهٔ دام آشیانه ایست

پابستهٔ نور و خیالی چو وارسی!
هر عالمی ز عالمِ دیگر فسانه ایست

هر ذرّه در طریقِ وفائی تو منزلی
هر قطره از محیطِ خیالت کرانه ایست

در پردهٔ توحید کشم نازِ عالمی
دائم ز روزگار و فراقت بهانه ایست

غالب دگر ز منشأ آوارگی مپرس
گفتم که جبهه را هوسِ آستانه ایست

ہر ذرہ محوِ جلوۂ حسنِ یگانہ ہے!
گویا طلسمِ شش جہت آئینہ خانہ ہے

حیرت نے مجھ کو دھر کی بے دست و پا رکھا
اپنا وجود مثلِ گہرِ آب و دانہ ہے

ناچار میں بھی مل گیا صیاد ہی کے ساتھ
دل سے کہا کہ حلقۂ دام آشیانہ ہے

پہنچے اگر تو بات کی تہ تک تو ہے یہ بات
یا ہر جہاں جہانِ دگر کا فسانہ ہے

ہر ذرہ ہے طریقِ وفا میں مرا مقام
ہر قطرہ خود محیط کا تیرے کرانہ ہے

پڑتے ہیں تیرے ناز اٹھاؤں زمانہ کے
رنجیدہ روزگار سے فرقت بہانہ ہے

غالب نہ پوچھ مرضِ آوارگیٔ شوق!!
یوں ہی جبیں کو ایک ہوسِ آستانہ ہے

هرچہ فلک نخواستست، ہیچ کس از فلک نخواست
ظرفِ فقیہ می نہ جست بادۂ ما گزک نخواست

جاہ ز علم بے خبر، علم ز جاہ بے نیاز
ہم محک تو زر ندید ہم زرِ من محک نخواست

شحنۂ دہر بر ملا، ہرچہ گرفت پس نداد
کاتب بخت در خفا ہرچہ نوشت حک نخواست

زاہد و ورزش سجود آہ ز دعوائے وجود!!
تا زدِ اہرمن زبیش بدرقۂ ملک نخواست

بحث و جدل بجائے ماں میکدۂ جوئے کاندراں
کس نفس از جمل نزد کس سخن از فدک نخواست

گشتہ در انتظار یار دیدۂ پیرِ رہ سفید
در رہِ شوق ہمرہی دیدۂ زمردمک نخواست

رند ہزار شیوہ را طاعتِ حق گراں نہ بود
لیک صنم بہ سجدۂ در ناصیہ مشترک نخواست

سہل شمرد و سرسری تا تو ز عجز نہ شمرے
غالب اگر بداوری دادِ خود از فلک نخواست

اس کو نہ چاہیے کوئی بھی، جس کو نہ چاہے خود فلک
ظرفِ فقیہہ میں مے کہاں مانگے نہ میری مے گزک

علم سے بے خبر ہے جاہ، علم ہے بے نیازِ جاہ
تیری محک کو زر نہیں، زر مرا زر ہے بے محک

شحنۂ دہر برملا، چھینے جو کچھ تو پھر نہ دے
کاتبِ بخت چھپ کے لکھے پر نہ کرے اسے حک[1]

زاہدا! درزشِ سجود، حیف یہ دعوئ وجود!
کھائے تو اہرمن سے خوف ڈھونڈے حفاظتِ ملک

نور کے انتظار میں دیدۂ پیر ہے سفید!
شوق کی راہ میں چشم بھی چاہے نہ شرکِ مردمک

بحث و جدال کو چھوڑ کر میکدے آیئے جہاں!
مارے نہ دم جمل[2] سے کوئی چھیڑے نہ قصۂ فدک[3]

رندِ ہزار شیوہ کو طاعتِ حق گراں نہ تھی!
سجدے میں ناپسند تھی بت کو جبینِ مشترک

---

[1] حک نا۔ حذف کر دینا۔
[2] مشہور جنگِ جمل جس میں ایک طرف حضرت علیؓ کی افواج اور دوسری طرف لشکرِ حضرت عائشہؓ آمنے سامنے ہو گئے تھے۔
[3] باغ فدک جو حضرت خاتونِ جنت سے لیکر بیت المال میں جمع کر دیا گیا۔ یہ دونوں واقعات باعثِ نزاع تھے۔

جیب مرا مدد زکہ بودش نماندہ است
تارش زہم گسستہ و بودش نماندہ است

سرگرمیٔ خیال تو از نالہ باز داشت!
دل پارہ آتشیست کہ دودش نماندہ است

داد از تنطلّمی کہ بگوشت نمیرسد!
آہ از توقعی کہ وجودش نماندہ است

چون نقطۂ اخترِ سیاہ از سیر باز ماند
گوئی دگر ہبوط و صعودش نماندہ است

مکتوبِ ما بتارِ نگاہِ تو عقدہ ایست
کز ہیچ رو امید کشودش نماندہ است

اُفتادگی نماز، دلِ ناتوانِ ماست!
دردِ سرِ قیام و قعودش نماندہ است

دل جلوہ میدہد ہنر در انجمن!
رحمی مگر بجانِ حسودش نماندہ است

دِل در غمِ تو مایۂ حسن سپردہ ایست
کار از زیان گزشتہ و سودش نماندہ ست

دامن مرا نہ سی کہ ہے نابُود اسکی بوُد !
فرسودہ ہو چکا ہے سبھی اس کا تار و پوُد

سرگرمیٔ خیال میں تیرے نہ رو سکوں
آتش کا پارہ دل ہے نہیں جسمیں کوئی دُود

فریاد تیرے ظلم کے کانوں تلک نہ جائے
اُف وہ امید جس کا کہ کوئی نہیں وجوُد

نقطہ کی طرح ثبت ہوا اخترِ سیاہ
تابِ نزول اس میں ہے نے طاقتِ صعود

تارِ نگہ میں تیرے ہے خط ایستادہ گرہ
جس کی نہیں امید کسی طرح ہو کشود !

افتادگی نماز دلِ ناتواں کی ہے !
دردِ سرِ قیام ہے نے مرگِ قعود !

دل جلوہ گر ہنر کو کرے انجمن میں یک
آئے نہ دل کو رحم کہ ہیں جل رہے حسود

رہزن کے ہاتھ دے دیا سرمایہ دل نے سب
نقصاں کا ڈر رہا نہ ہے اب ہو رہا ہے سوُد

منعِ ما از بادہ عرضِ احتسابی بیش نیست
محتسب افشردۂ انگور آبی بیش نیست

خارج از ہنگامہ سر تا سر بہ بیکاری گزشت
رشتۂ عمرِ خضر مدِ حسابی بیش نیست

قطرہ و موج و کف و گرداب جیحو نست بس
این من و مائی گرمی بالدِ حبابی بیش نیست

خویش را صورت پرستاں ہرزہ رسوا کردہ اند
جلوہ می نامند و در معنی نقابی بیش نیست

شوخیٔ اندیشۂ خویش است سرتا پائے ما
تار و پودِ ہستیٔ ما پیچ و تابی بیش نیست

زخمِ دل لب تشنۂ شورِ تبسم ہائے تست
این نمک داں ہا بچشمِ ما سرابی بیش نیست

نامہ بر از بیش گاہِ نازِ مکتوب مرا ،
پاسخی آوردہ است اما جوابی بیش نیست

جلوہ کن منت منہ از ذرہ کمتر نیستم
حسن با این تابناکی آفتابی بیش نیست

چند رنگین نکتۂ دلکش تکلف بر طرف
دیدہ ام دیوانِ غالب انتخابی بیش نیست

مے کی بندش میں نہیں چنداں جوازِ احتساب
محتسب افشردۂ انگور بھی تو ہے بس آب
رنج و راحت کو نہ دیکھیں ہم کہ ہیں شاید پرست
ناز کی گرمی سے دوزخ بھی نہیں بڑھ کر عتاب
سب کی سب گزری ہے بیکاری میں بے ہنگامہ ہی
مختصر عمرِ مختصر ہے از رہِ مدتِ حساب
قطرہ و موج و کف و گرداب ، دریا ہے یہی
یہ من و مائی کی لہریں کچھ نہیں غیر از حجاب
خود کو ہے ان بت پرستوں نے کیا رسوا فضول
جلوہ کہتے ہیں جسے یہ ہے حقیقت میں نقاب
ہے وجود اپنا فقط اپنے عزائم کی نمود
تار و پودِ ہستی کا اپنی ہے خود اپنا پیچ و تاب
زخمِ دل تشنہ ہے اک شورِ تبسم کا ترے
یہ نمکدانِ جہاں آنکھوں میں ہے میری سراب
نامہ بر مکتوب میرا پیش گاہ ناز سے !
لایا واپس لیک مجھ کو یہ نہیں غیر از جواب
رُخ دکھا غرّہ نہ کر کمتر نہیں ذرّہ سے میں
حسنِ تاباں لاکھ ہو ، لیکن نہیں تو آفتاب
چند رنگیں نکتۂ دلکش تکلف بر طرف !
دیکھا ہے دیوانِ غالب کچھ نہیں جز انتخاب

ہم وعدہ و ہم منع ز بخشش چہ حساب است
جاں نیست مکرّر نتواں داد شراب است

در مژدہ ز جوئے عسل و کاخ زمرّد !!
چیزے کہ بدبستگی از زد می نابست

لہراسپ کجا رفتے و پرویز کجائے
آتش کدہ ویرانہ و میخانہ خرابست

از جلوہ بہنگامہ شکیبا نتواں شد
لب تشنۂ دیدار ترا خلد سرابست!

با اینہمہ دشوار پسندی چہ کند کس
تا در بر انداختہ در بند حجابست!

وعدہ بھی ہے وعید بھی یہ کیا حساب ہے
یہ جاں نہیں کہ دیں وہ دوبارہ شراب ہے

کیا جوئے شہد و کاخِ زمرد بہشت میں
دل بستگی کی چیز بس اک آبِ ناب ہے

پرویز تو کہاں گیا ، زرتشت ہے کہاں
آتش کدہ ہے سرد ، مے خانہ خراب ہے

مشکل پسند اتنے ہیں وہ کیا کرے کوئی
منہ پہ نہیں نقاب پہ دل میں حجاب ہے

بے دوست سیرِ باغ سے ہو دل کو کیا نشاط
مشتاقِ دید کے لیے جنت سراب ہے

بسکہ از تاب نگاہ تو ز آسودن رفت!
بادہ چوں رنگ خود از شیشہ بپالودن رفت!

خیز و در دامن باد سحر آویز بعذر،
گر شبت تیرہ بداغ مژدہ نغنودن رفت!

ہر چہ از گریہ فشاندیم بہ بشمردن ریخت
ہر چہ از نالہ رساندیم بہ بشنودن رفت

ریگ در بادیہ عشق روانست ہنوز!
تا چہا پای درین راہ بفرسودن رفت!

شست و شوٕ مشغلۂ شوخیٔ ابر کرمست
وزنم آں خرقہ کہ با داغ نیالودن رفت

بر تنک مایگیم رحم کہ یک عمر گناہ!
ہم بتاراج سبکدستی بخشودن رفت

دل مرا تاب نگہ تیری سے ہے آسودہ !
جسطرح بادہ کہ شیشہ میں ہو برق آلودہ

دامنِ بادِ سحر تھام کے اٹھ کر غافل
شب کی تاریکی میں گر آنکھ رہی نکشودہ !

ہم نے جو اشک بہائے، نہ ہوا ان کا شمار
ہم نے جو نالے کئے وہ بھی رہے نشنودہ

ریگ تو اب بھی رواں بادۂ عشق میں ہے
ہائے اس رہ میں ہوئے کتنے قدم فرسودہ

شستہ و شو مشغلۂ ابر کرم ہے زاہد
خرقہ ناشستہ رہا، جو نہ ہوا آلودہ !

میری کم مائیگی پر رحم کہ اک عمر گناہ
چشمک بخشش رحمت سے ہوئی نابودہ

چو صبح من ز سیاہی بشام مانند است
چگویمت کہ ز شب چند رفت یا چند ست

برنج از پئے راحت نگاہ داشتہ اند
ز حکمتست کہ پائے شکستہ دربند است

درازدستی من جای ارفگند چہ عیب
ز پیش دلق ورع باہزار پیوند ست!

نگفتہ کہ بہ تلخی بسازد و پند پذیر
برو کہ بادۂ ما تلخ تر ازیں پند ست

وجود او ہمہ جنت و ہستیم ہمہ عشق
بہ بخت دشمن و اقبال دوست سوگند ست

نگاہ مہر بدل سر ندادہ چشمہ نوش
ہنوز عیش باندازۂ شکرخند ست!

ز بیم آں کہ مبادا بمیرم از شادی
نگویداچہ بہ برگ من آرزومند ست

شمار کجروی دوست در نظر دارم!
دریں نورد ندانم کہ آسماں چند ست!

گر نہ بہر من از بہر خود عزیزم دار
کہ بندہ خوبی او خوبئ خداوند ست

نہ آں بود کہ وفا خواہد از جہاں غالب
بدیں کہ پرسد و گویند ہست خرسند ست

سحر ہوئی مری تاریک شام کی مانند
بتاؤں کیا کہ کٹی کتنی شب؟ ہے باقی چند
نگہ ہے رنج پہ شفقت کی بہر آسائش
شکستہ پاؤں پہ حکمت سے باندھتے ہیں بند
جو میرے ہاتھ سے اک چاک آگیا تو کیا
ہیں پیشتر سے ہی دلقِ ورع میں صد پیوند
کہا نہ تو نے کہ تلخی سہار، پند کو مان!
ہے تلخ تر مرا بادہ، قبول تیری پسند
وجود اس کا، ہمہ حسن، میں سراسر عشق
نصیبِ دشمن و اقبالِ دوست کی سوگند
ہے اس کو ڈر کہ مبادا خوشی سے مرجاؤں
کہے نہ منھ سے مری موت کا ہے خواہشمند
شعار کجروئ دوست ہے نظر میں مری
نہیں شمار میں اس بیت میں فلک کی کمند
مرے لیے نہ سہی، تجھ کو رکھ تو اپنے لیے
کہ افتخار ہے مالک کا اس کا بندہ و بند

نہیں ہے دہر سے غالب کو کچھ امید وفا
"جہاں ہنوز ہے موجود" سن کے ہے خورسند

دل بردن از این شیوہ عیان ست و عیان نیست
دانی کہ مرا با تو گمانست و گمان نیست

در عرضِ غمت پیکرِ اندیشۂ لاسم !
پا تا سرم انداز بیان ست و بیان نیست

قربانِ تو بر جانِ من و کارِ من از تو
بے پردہ بہر پردہ روانست و روان نیست

سرمایۂ ہر قطرہ کہ گم گشت بہ دریا !
سودیست کہ ما را بہ زیانست و زیان نیست

در شاخ بود موجِ گل از جوشِ بہاراں
چوں بادہ بمینا کہ نہانست و نہان نیست

در ہر مژہ بر ہم زدن این خلق جدیدست
نظارہ سگالد کہ ہمانست و ہمان نیست

ناکس ز تنومندی ظاہر نشود کس !
چوں سنگ سرِ رہ کہ گرانست و گران نیست

یوں دل کو چرا لینا عیاں ہے، پہ نہیں ہے
تم جانو مجھے تم پہ گماں ہے، پہ نہیں ہے

ہوں غم میں ترے پیکرِ اندیشۂ سوزاں
تن من کا ہر اک ذرہ بیاں ہے پہ نہیں ہے

جاں پر ترا فرماں ہے اور تجھ سے ہی ہر کام
بے پردہ بہر پردہ رواں ہے پہ نہیں ہے

ہر قطرہ کا سرمایہ، جو دریا میں ہوا گم
بے سود کہ مانند زیاں ہے پہ نہیں ہے

ہوتی ہے نہاں شاخِ گل موجِ گلِ تازہ
جوں جام میں بادہ کہ نہاں ہے پہ نہیں ہے

ہر آنکھ جھپکنے میں بدل جاتی ہے دنیا
ہم جانیں وہی کہنہ جہاں ہے پہ نہیں ہے

ناکس نہ تنومندیٔ ظاہر سے بنے کس
جوں سنگِ سرِرہ کہ گراں ہے پہ نہیں ہے

ببیں کہ در گل و مُل جلوہ گر برائے تو کیست
مپوش دیدہ ز حق طالبِ رضای تو کیست

چہ ناکسی کہ ز دردِ فراق می نالی!!
نمی رسی کہ دریں پردہ ہم نوای تو کیست!

کلیدِ بستگی تست غم بجوش اے دِل
تو گر چنیں نگذاری گرہ کشای تو کیست

بانتظارِ تو در پاسِ وقت خویشتنم
فریب خوردۂ نیرنگِ وعدہ ہای تو کیست

زلالِ لطف تو سیرابیِ ہوسناکاں
یکے ببیں کہ جگر تشنۂ جفای تو کیست

ز دار تا بشہیداں براس یعنی چہ!
تو نیست دستِ قضا کشتۂ ادائی تو کیست

ترا زاہلِ ہوس ہر یکے بجائے من ست
تو خدائی تو شاہم مرا بجای تو کیست

ترا کہ موجۂ گل تا کمر بود دریاب!
کہ غرقِ خوں بدرِ بوستاں سرائی تو کیست

فرشتہ معنئ "مِنْ رَّبُّكَ" نہ فہم
بمن بگوی کہ غالب بگو خدائی تو کیست

ترے لئے گلِ دل میں یہ رُخ نما ہے کون؟
چھپا نہ حق کو ترا طالبِ رضا ہے کون؟

تو نا کسی سے ہے دردِ فراق میں نالاں
خبر بھی ہے ترا پردے میں ہمنوا ہے کون؟

یہ جوشِ غم ہے ترا، اک کلید بندش بھی
اگر نہ ساتھ دے "گریہ" گرہ کشا ہے کون؟

ہے پاسِ وقت سے اپنے یہ انتظار ترا
فریب خوردۂ نیرنگ عہد تیرا ہے کون؟

زلالِ لطف سے تیرے ہیں بوالہوس سیراب
کبھی یہ دیکھ جگر تشنۂ وفا ہے کون؟

ہو دادِ شانِ شہیداں سے کیا ہراس تجھے
قضا نے مارا، ترا کشتۂ ادا ہے کون؟

ہر ایک اہلِ ہوس تجھ کو ہے بجائے میرے
خدا و اُف مرا اک ترے سوا ہے کون؟

تو کھیلے پھولوں میں لیکن کہاں خبر ہے تجھے
کہ غرقِ خوں بہ درِ بوستاں سرا ہے کون؟

فرشتۂ معنیٔ من ربک نہ میں سمجھوں
تو صاف پوچھ یہ مجھ سے ترا خدا ہے کون؟

بوادیی کہ دراں خضر را عصا خفتست!
بسینہ می سپرم رہ اگرچہ پا خفتست

بہ صبح حشر چنیں خستہ روسیہ خیزد
کہ در شکایت درد و غم دوا خفتست

خروش حلقۂ رنداں ز نازنیں پسریست

ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز
گسستہ لنگر کشتی و ناخدا خفتست

غمت بشہر شبیخوں زناں بہ بنگہ خلق
عسس بخانہ و شہ در حرم سرا خفتست

دلم بہ سبحہ و سجّادہ و ردا لرزد!
کہ دزد مرحلہ بیدار و پارسا خفتست

درازیٔ شب و بیداریٔ من ایں ہمہ نیست

ببیں ز دُور و مجو قرب شہ کہ منظر را
دریچہ باز و بدروازہ اژدہا خفتست

براہ خفتن من ہر کہ بنگرد داند، — کہ میر قافلہ در کارواں سرا خفتست
دگر ز ایمنی راہ و قرب کعبہ چہ حظ — مرا کہ ناقہ ز رفتار ماند و پا خفتست!

بخواب چوں خودم آسودہ دل مداں غالب
کہ خستہ غرقہ بخوں خفتہ است تا خفتست

یہ وادی وہ ہے جہاں خضر کا قدم بھی رُکے
سفر میں ہیں ہوا سینہ سپر جو پاؤں تھکے

وہ صبحِ حشر اٹھے خستہ روسیاہ جو آج
لئے شکایتِ دردِ غم و دوا سویا
خروشِ حلقۂ رنداں وہ نازنیں ٹھہرا
جو رکھ کے زانوئے زاہد پہ سر رہا سویا
ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز
شکستہ لنگرِ کشتی ہے، ناخدا سویا
مچائی لوٹ ترے غم نے شب کو جب گھر گھر
تو کوتوال ادھر، شاہ اِدھر رہا سویا
ہے لرزہ سبحہ و سجادہ و ردا سے مجھے
کہ دزد جب ہوا بیدار، پارسا سویا
دراز شب ہے، میں بیدار، بس اس پہ نہیں
خبر بھی لو کہ کہاں بختِ میرا جا سویا
تو دیکھ دُور سے مت ڈھونڈ قربِ شہ کے یہاں
دریچہ باز ہے اور در میں اژدہا سویا
جو رہ میں خفتہ مجھے دیکھے جان لے خود ہی کہ میرِ قافلہ ہے یہ سراسر سویا!
ہوا منِ راہ سے اور قربِ کعبہ سے کیا حظ جو اونٹ تھک کے گرا، پاؤں بھی مرا سویا
مجھے نہ خواب میں آسودہ اپنی طرح تو جان
کہ خستہ خوں میں جب غرق ہو گیا سویا

کشته را رشک کشتهٔ دگر است
من و زخمے که بر دل از جگر است

رمد اجزای روزگار ز ہم
روز و شب در قفای یکدگر است

دوستاں دشمنند ورنه مدام
تیغ او تیز و خوں ما ہدر است

عقل و دیں بردہ دل و جاں نیز
آنچه او نیز نابردہ خبر است

قفس و دام را گنا ہے نیست!
ریختن در نہاد بال و پر است

ریزد آں برگ و ایں گل افشاند!
ہم خزاں ہم بہار در گزر است

کم خود گیر و بیش شو غالب
قطرہ از ترک خویشتن گہر است

کشتگاں کو ہے رشکِ یک دیگر
کھا گیا دل کو رشکِ زخمِ جگر

اڑ چلے روزگار کے پرزے!
دوڑے دن رات عقب یکدیگر

دوست دشمن ہیں اپنے ورنہ سدا
تیغ تیز اس کی خوں سے اپنا ڈر

عقل و دیں لے گیا، دل و جاں بھی
تو جو نہ لے سکا، فقط ہے خبر

پت جھڑیں اس میں، گل گریں اس میں
ہیں بہار و خزاں بہ راہگذر

قفس و دام کا نہیں ہے گناہ!
گر ہی پڑتے ہیں یوں بھی بال اور پر

خود کو کم کر کے بیش ہو غالبؔ
قطرہ ہے ترکِ خویشتن سے گہر

هند را رند سخن پیشهٔ گمنامی هست
اندرین دیر، کهن میکده آشامی هست

خسروی باده درین دَور اگر می خواهی
پیش ما آی که ته جرعه از جامی هست

گفته اند از تو که بر ساده دلان بخشائی
پخته کاریست که ما را طمع خامی هست

بی تو گر زیسته ام سختی این درد بسنج
بجز از مرگ که دانسته بهنگامی هست

نیست در کعبه که رطلی زنبیدم بخشد
در گروگان طلبد جامهٔ احرامی هست

می صافی ز فرنگ آید و شاهد ز تتار
ما ندانیم که بغدادی و بسطامی هست

شعر غالب نبود وحی و نگوئیم ولے
تو و یزدان نتوان گفت که الهامی هست

ہند میں رندِ سخن پیشہ بھی ہے اک گمنام
رہتا ہے دیرِ کہن میں کہیں وہ خم آشام

خسروی بادہ کبھی آپ کو مطلوب ہو گر!
آیئے پاس مرے باقی ہے دُردِ تہِ جام

کہتے ہیں سادہ دلوں پر تری بخشش ہے فزوں
پختہ کاری ہے یہی ہم کو جو ہے خواہشِ خام

بن ترے گر میں جیا درد کی سختی کو سمجھ
مرگ کا ذکر نہ کر۔ ہے وہ رہینِ ہنگام

ہے کوئی کعبہ میں جو بخشے مجھے رطلِ نبیذ!
گر زرِ رہن ہو مطلوب تو لیجئے اِحرام

بادۂ افرنگی ہے شایاں ہیں تتاری لیکن
تحفۂ بغدادی ہے کیا؟ بھیجے ہیں کیا بسطام[۱]

شعرِ غالب تو نہیں وحی، نہ خود ہے وُہ ولی
بخدا! کہیئے!! نہیں لگتا ہے یہ سب الہام

---

[۱] حضرت بایزید بسطامی قصبہ بسطام کی نسبت سے بسطامی کہلاتے تھے۔

در بذل کالی در قلمم دست کریم است
نی نی نیِ کلکم رگِ مژگان یتیم است

رشحِ کفِ جم می چکد از مغزِ سفالم
سیرابیِ نطقم اثرِ فیضِ حکیم است

در جستنِ مانندِ تو نظاره زبونست
در زادنِ همتائے من اندیشہ سقیم است

ذوقِ طلبت جنبشِ اجزائے بہار است
شورِ نفسم رعشۂ اعضائے نسیم است

از حرفِ من اندیشہ گلستانِ خلیل است
زر روئے تو آئینہ کفِ دستِ کلیم است

ق

بذلِ دُر و رقم میں مرا ہاتھ ہے کریم!
تجھ سے نہیں قلم مرا، ہے مسترہ یتیم

جامِ سفال میں مرے صہبائے جامِ جم
سیرابی مرے نطق کی ہے، دادۂ حکیم

تیری مثال ڈھونڈنے میں عقل ہے زبوں
اور میری مثل سوچنے میں فکر ہے عقیم[1]

ذوقِ طلب ترا ہے خود اک جنبشِ بہار
شورِ نفس سے میرے ہے خود رعشۂ نسیم

اندیشہ میرے حرف سے ہے گلشنِ خلیلؑ
آئینہ تیرے رُو سے ہے رشکِ کفِ کلیمؑ

[1] بےخیز۔ بے نتیجہ۔ عاجز۔

با من کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست
در امرِ خاص حجتِ دستورِ عام چیست

گفتی قفس خوش است تواں بال و پر گشود!
بارے علاجِ خستگیٔ بندِ دام چیست

دلخستۂ زغمیم و بود مے دوائے ما
با خستگاں حدیثِ حلال و حرام چیست

مستم ز خونِ دل کہ دو چشمم از آں پرست
گوئی مخور شراب و نہ بینی بجام چیست

با دوست ہر کہ بادہ بخلوت خورد مدام
داند کہ حور و کوثر و دارالسّلام چیست

در روزِ تیرہ از شبِ تارم نماند بیم
چوں صبح نیست خود چہ شناسم کہ شام چیست

باخیلِ مور مے رسی از رہ خوش است فال
قاصد بگو کہ آں لبِ نوشیں پیام چیست

ز کاسِ کرام نصیب است خاک را
تا از فلک نصیبۂ کاسِ کرام چیست

غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت
پرسد چرا کہ نرخِ مے لالہ فام چیست

عاشق ہوں مجھ کو مخمصۂ ننگ و نام کیا
ہے امرِ خاص حجّتِ دستورِ عام کیا

کٹتے ہو بال و پر تو قفس میں بھی ہل سکیں
لیکن علاجِ خستگیٔ بندِ دام کیا

بیمارِ غم ہیں ہم ہے ہماری دوا شراب
دفعِ مرض میں، بحثِ حلال و حرام کیا

میں خونِ دل سے مست ہوں آنکھیں بھی اس پہ پُر
مت پی شراب کہتے ہو، ہے زیبِ جام کیا

خلوت میں ساتھ دوست کے پیتا ہے جو شراب
جانے وہ حور و کوثر و دارالسلام کیا

تاریک دن میں رات کی تاریکیاں ہیں گم
صبح نہیں تو جانوں میں کیسے ہے شام کیا

چمٹی ہیں تجھ سے چیونٹیاں ہے نیک فال یہ
قاصد بتا کہ ہے لبِ شیریں کا پیام کیا

ہو کاسۂ کرام سے مٹی کو کچھ نصیب
پر چرخ سے نصیبۂ کاسِ کرام کیا

غالب جو دونوں خرقہ و مصحف نہ بیچتا
کیوں پوچھتا "ہے نرخ مئے لالہ فام کیا"

[1] کاسہ کے معنی جام۔ پیالہ اور کرام کریم کی جمع یعنی سخی بزرگوں کا پیالہ۔
[2] کچھ قطرے جام سے چھلک کر نیچے گر پڑتے ہیں یا مے کش خود ہی چند قطرے زمین پہ پھینک دیا کرتے ہیں۔
[3] مگر فلک بخیل ہے کہ سخی بزرگوں کے پیالے میں یعنی ان کی قسمت میں کوئی زر و مال نہیں کرتا۔ دستور اکثر بے زری کی شکایت کرتے رہے بقول غالب ؎

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے ؎ بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

غبارِ طرفِ مزارم بہ پیچ و تابی ہست !
ہنوز در رگِ اندیشہ اضطرابی ہست !

بہ بانگِ صورِ سر از خاک بر نمے دارم
ہنوز در نظرِ چشمِ نیم خوابی ہست

ز سردیٔ نفسِ نامہ بر تواں دانست
کہ نارسیدہ پیامِ مرا جوابی ہست

بہرزہ جاں بہ غلط دادم و ندانستم ،
کہ یار دیر پسندی و زود یابی ہست

نظر فریبِ ادا ہا بہ دشمن ارزانے
بمن سپار اگر داغِ سینہ تابی ہست

ز شورشِ نمکِ پرسشِ نہانیٔ تست !
اگر مرا جگرِ تشنۂ عتابی است

خود اولیں قدحِ مے بنوش و ساقی شو
کہ آخر از طرفِ تست گر حجابی است

مگو دمِ جگرِ تشنہ را دلے بدروغ !
نشاں دہید بر آبش اگر سرابی ہست

ز سرد مہریٔ ایامِ نیستم نژند !
کہ در خرابۂ ما روئے آفتابی ہست

بہارِ ہند بود برشگال ہاں غالب
دریں خزاں کدہ ہم موسمِ شرابی ہست

مرے مزار کے گوشہ میں پیچ و تاب بھی ہے
ہنوز دل میں مرے ایک اضطراب بھی ہے

نزا اٹھوں گو رسے میں، صورِ اسرافیل پہ بھی
ابھی نگاہ میں اک چشمِ نیم خواب بھی ہے

میں سردیٔ نفس نامہ بر سے بھانپ گیا
جو خط پہنچ نہ سکا اُس کا یہ جواب بھی ہے

فضول جاں بھی گنوائی مجھے خبر ہی نہ تھی
کہ یار دیر پسندی میں زود یاب بھی ہے

نظر فروز ادائیں تو سونپ دشمن کو
مجھے تو بخش اگر داغِ سینہ تاب بھی ہے

یہ ہے ترے نمکِ پرسشِ نہانی کا فیض
ابھی جو میرا جگر تشنۂ عتاب بھی ہے

تو پہلا جام مئے ناب پی کے ساقی بن
تری طرف ہی سے ہے گر کوئی حجاب بھی ہے

میں اپنے تشنہ جگر کو فریب ہی دے لوں
بتاؤ راہ میں اس کے کوئی سراب بھی ہے

میں سرد مہریٔ ایام سے نہیں دل سرد
مرے خرابے میں اک روئے آفتاب بھی ہے

بہار بند ہے برسات کا سماں غالبؔ
مرے خزاں کدہ میں موسم شراب بھی ہے

دم ہرزہ ہا ہمچو نی از مغز ہم استخواں خالی است
کہ جای نالۂ زاری دریں میاں خالیست

روم بہ کعبہ ز کوئے تو و ز حق خجلم
ز سجدہ جبہہ و از پوزشم زباں خالیست

ز شاہدی بتماشا نہ بیدلے بہ نوا
ز غنچہ گلبن و از بلبل آشیاں خالیست

گرش بدیدنِ من گریہ رو نداد چہ جرم
نہاد آتشِ شوقِ من از دخاں خالیست

پُر از سپاسِ اداے تو دفتری دارم!
کہ یکسر از رقمِ پرسشِ نہاں خالیست

خراب ذوق بر و دوش کیستم غالب
کہ چوں ہلال سراپایم از میاں خالیست

مثالِ نے ہے اگر میرا استخواں خالی
تو جائے نالہ و زاری ہے درمیاں خالی

تری گلی سے گیا کعبے، حق سے شرم آئی
جبیں تھی سجدوں سے اور حمد سے زباں خالی

صنم کا جلوہ نہ تھا دل حبیبوں کا نغمہ نہ تھا
گلی سے باغ تھا بلبل سے آشیاں خالی

وہ مجھ کو دیکھ کے رویا نہ گر تو بات ہے یہ
دھوئیں سے ہے یہ مری آتشِ نہاں خالی

ترے سپاس سے یوں تو ہے پُر مرا دفتر
مگر رہا ورقِ پُرسشِ نہاں خالی

یہ کس کو پہلو میں لینے کی ہے ہوس غالبؔ
کہ جوں ہلال سراپا ہے درمیاں خالی

ایمنم از مرگ تا تیغت جراحت بار ہست
روزیِ ناخوردۂ ما در جہاں بسیار ہست

ما و خاکِ رہ گذر بر فرقِ عریاں ریختن
گل کسی جوید کہ اُو را گوشۂ دستار ہست

پارۂ امیدوارستم تکلف بر طرف
با ہمہ بے التفاتی در پئے آزار ہست

بر سرِ کوئے تو با مہرم بجنگ آرد ہمے
ایں ہجومِ ذرّہ کاندر روزنِ دیوار ہست

در خموشی نالشِ روئے عرقناکش نگر
تا چہا ہنگامۂ سرگرمئے گفتار ہست

بے نوائی بیں کہ گر در کلبہ ام باشد چراغ
بخت را نازم کہ با من دولت بیدار ہست

در پرستش شستم و در کامجوی استوار
بادشہ را بندۂ کم خدمت و پُرخوار ہست

راز دیدنہا مجوی و از شنیدنہا مگوئے
نقشہا در خامہ و آہنگہا در تار ہست

گر نمودار یست نقشِ سجدہ بر سیما دریغ
ور نہ تا نمندیست دوش غرۂ زنار ہست

کہنہ نخلِ تازہ از صرصر ز پا افتادہ ام!
خاکم ار کاوی ہنوزم ریشہ در گلزار ہست

بادبر داں گنجِ باد آورد و غالب را ہنوز
نالۂ الماس پاش و چشمِ گوہر بار ہست

مرگ کا کیا خوف جب تک تو جراحت بار ہے
روزیٔ ناخوردہ دنیا میں ابھی بسیار ہے

ذوقِ عریاں پر ہیں اپنے خاک راہ ہم ڈالتے
گل تو وہ ڈھونڈے کہ جس کا گوشۂ دستار ہے

کچھ نہ کچھ امید ہے مجھ کو، تکلّف برطرف
باہمہ بے التفاتی مائلِ آزار ہے

تیرے کوچے میں لڑائی ہے مجھے سورج سے یہ
فوج ذرّوں کی جو وقفِ روزنِ دیوار ہے

جب ہوا اسکی تابشِ روئے عرق افشاں کو دیکھ
کس قدر ہنگامۂ سرگرمیٔ گفتار ہے

بے نوائی دیکھیے، گر ہو مرے گھر میں چراغ
بخت پر اتراؤں کہ یہ دولت بیدار ہے

میں عبادت میں ہوں کاہل کامجوئی میں ہوں چست
گو یاش کا بندۂ کم خدمت و پُرخوار ہے

دیکھ لیں یا سن سکیں ہم کب ہمہ اسرار کو
نقش ابھی خامے میں ہیں، نغمہ درونِ تار ہے

نقشِ سجدہ کی نمائش میرے ماتھے پر نہیں
ہاں نشانِ دردِ دوشِ تسمۂ زنار ہے

نخلِ کہنہ ہوں اکھاڑا جڑ سے صرصر نے ابھی
کھودو گر مٹی تو ریشہ اب بھی در گلزار ہے

گنج بادآورد ہے برباد، پر باقی مرا ۔ نالۂ الماس پاش اور چشم گوہر بار ہے

چشم از ابر اشکبار تر است!
از عرق جبہ بہار تر است
گریہ کرد از فریب و زارم کشت!
نگہ از تیغ آب دار تر است
می برانگیزدش بکشتن من
دشمن از دوست غمگسار تر است
وے مگر مست بودہ کامروز!!
شکرم از شکوہ ناگوار تر است
اے کہ خوی تو ہیچو روی تو نیست
دیدہ از دل امیدوار تر است
نو بدولت رسیدہ را نگرید!
خطش از زلف مشکبار تر است
طفلی و پیر دیر مے شکنے!
آہ عہدی کہ استوار تر است
ہمہ عجز و نیاز می خواہند
زار تر ہر کہ حق گزار تر است
خستہ از راہ دور می آیم،
پا ز تن پارہ فگار تر است!

شکوہ از خوی دوست نتواں کرد — بادۂ تند سازگار تر است
می رسد گر بخویشتن نازد — غالب از خویش خاک تر است

ہے آنکھ میری ابر سے بھی اشک بار تر
فیضِ عرق سے رُخ مرا ہے پُر بہار تر
وہ مرے قتل پر جو ہے اس کو ابھارتا
دشمن مرا ہے دوست سے بھی غمگسار تر
کل تو رہا ہے مست، کہیں آج جو ہوا،
یہ شکر میرا شکوے سے بھی ناگوار تر
اے تو کہ خوں‌ ترک نہیں ہے مثلِ روئے خوب
ہے آنکھ میری دل سے بھی اُمید وار تر
دولت ابھی جو پائی ہے اس نے نئی نئی
خط اس کا اس کی زلف سے ہے مشکبار تر
بچپن میں توڑتے ہیں وہ ہر عہد بے خطر
ہو کاش! عہد وہ بھی جو ہو استوار تر
ہم سے تو چاہتے ہیں وہ عجز و نیاز ہی
پس زار تر یہاں ہے جو ہے حق گزار تر
آیا بہت ہوں دُور سے میں خستہ چُور چُور
ہیں پاؤں میرے تن سے بھی قدرے فگار تر
شکوہ تو خوئے دوست کا مجھ سے نہ ہو سکے
گر بادہ تلخ تر ہے، تو ہے سازگار تر
جائز ہے مجھ کو ناز کروں اپنے آپ پر
اس درجہ اپنے آپ سے ہوں خاکسار تر

ظهور بخشش حق را ذریعه بے سببیست
وگرنہ شرم گنہ در شمار بی ادبیست

زگیر و دار چہ غم چون بعالمے کہ منم
ہنوز قصّۂ حلاج حرفِ زیر لبیست!

رموز دیں نشناسم درست و معذورم
نہاد من عجمی و طریق من عربیست

نشاط جم طلب از آسمان نہ شوکتِ جم
قدح مباش ز یاقوت بادہ گر عنبیست

بالتفات نیرزم در آرزو چہ نزاع!
نشاط خاطرِ مفلس زکیمیا طلبیست

بود بہ طالع ما آفتاب تحت الارض
فروغ صبح ازل در شراب نیم شبیست

نہ ہم پیالگیٔ زاہداں بلاے بود!
خوشست گرمے   خلاف شرع نبیست

ہر آنچہ در نگری جز بہ جنس مائل نیست
عیار بے کسیٔ ما شرافت نسبیست

عبودیت نکند اقتضاے خواہشِ کار
دعا بصیغۂ امراست و امر بے ادبیست

میان غالب و واعظ نزاع شد ساقی
بیا بہ لابہ کہ ہیجان قوت غضبیست

ظہورِ بخشش حق کا سبب ہے بے سببی!
نہ ہوگی شرمِ گنہ ایک گونہ بے ادبی!
ہو گیر و دار کا کیا غم کہ میری آنکھوں میں
ابھی ہے قصۂ منصور حرفِ زیرِ لبی!
رموزِ دیں کو نہ سمجھا ہیں گر تو ہوں معذور
کہ دل مرا عجمی ہے مگر ہے دیں عربی
نشاطِ جم کی طلب کر، نہ مانگ شوکتِ جم
قدح نہ ہو ذہبی بادہ ہے اگر عنبی!
میں التفات کے قابل نہیں پہ طالب ہوں
نشاطِ خاطرِ مفلس ہے کیمیا طلبی
ہے آفتاب بھی طالع میں میرے تحت الارض
ہنوز بخت ہے مستِ شرابِ نیم شبی
ملیں زمانہ میں ہم جنس ہی سدا باہم
ہے وجہ بے کسی اپنی شرافتِ نسبی
نہ ہم پیالگی زاہد کی اک بلا ہوتی؟
خدا کا شکر کہ مے ہے خلافِ شرعِ نبی!
نزاعِ غالب و واعظ کا واسطہ ساقی
چھلک دکھا کہ مٹے جوشِ قوتِ غضبی
عبودیت کو نہیں اپنی خواہشوں کی طلب
دعا ہے امر کا صیغہ ہے امر بے ادبی

نشاطِ معنویاں از شراب خانۂ تست
فسونِ بابلیاں فصلی از فسانۂ تست

بجام و آئینہ حرفِ جم و سکندر چیست
کہ ہرچہ رفت بہر عہد در زمانۂ تست

فریبِ حسنِ بتاں پیشکش اسیر نوایم
اگر خطست دگر خال دام و دانۂ تست

ہم از احاطۂ تست اینکہ در جہاں ما را
قدم بہ بتکدہ و سر بر آستانۂ تست

سپہر را تو بتاراجِ ما گماشتۂ
نہ ہرچہ دزد زما برد در خزانۂ تست

کماں ز چرخ و خدنگ از بلا و پر ز قضا   خدنگ خوردۂ ایں صید گہ نشانۂ تست

مرا چہ جرم گر اندیشہ آسماں پیماست   نہ تیز گامئ توسن ز تازیانۂ تست

سپاسِ جودِ تو فرض ست آفرینش را
دریں فریضہ دو گیتی ہماں دوگانۂ تست

نشاطِ معنویاں ہے شرابِ خانہ ترا
فسونِ بابلیاں بھی ہے اک فسانہ ترا

ہے جام و شیشہ پہ نامِ جم و سکندر کیا
کہ ہر زمانہ بہر عہد ہے زمانہ ترا

فریبِ حسنِ بتاں میں ہیں ہم ترے ہی اسیر
یہ خد و خال ہیں اک طرح دام و دانہ ترا

ترے محیط میں ہیں ہم جہاں کہیں ہیں مکیں
قدم کو بتکدہ ہے سر کو آستانہ ترا

ہمیں کو لوٹنے پر ہے ترا فلک مامور
کہ مالِ دزدی ہے داخلِ خزانہ ترا

کمانِ چرخ ہے، تیرِ بلا ہے زورِ قضا — یہ صید گہ ہے جہاں ہر کوئی نشانہ ترا

ہے فکر میرا فلک رس تو کیا خطا میری — سمندِ طبع کو میرے ہے تازیانہ ترا

سپاس تیرے کرم کا تھا فرض خلقت پر
اسی فریضہ میں ہیں دو جہاں دوگانہ ترا

درپردہ شکایت ز تو داریم و بیاں ہیچ
زخمِ دلِ ما جملہ دہانست و زباں ہیچ

اے حسن گر از راست نرنجی سخنے ہست
نازِ ایں ہمہ یعنی چہ کمر ہیچ و دہاں ہیچ

در راہِ تو ہر موج غباریست روانے !
دل تنگ نگردم ز ہر افشاندنِ جاں ہیچ

ہر گریہ بیفزود ز دل ہرچہ فرو ریخت
در عشق بود تفرقۂ سود و زیاں ہیچ

تن پروریٔ خلق فزوں شد ز ریاضت
جز گرمیٔ افطار ندارد رمضاں ہیچ

دنیا طلباں عربدہ مفت ست بجوشید
آزادیٔ ما ہیچ و گرفتاریٔ تاں ہیچ

پیمانۂ رنگینست دریں بزم بگردش
ہستی ہمہ طوفانِ بہارست و خزاں ہیچ

عالم ہمہ مرآتِ وجودست عدم چیست
تا کار کند چشم محیط ست و کراں ہیچ

غالب ز گرفتاریٔ اوہام بروں آے
باللہ جہاں ہیچ و بد و نیکِ جہاں ہیچ

در پردہ ہمیں تجھ سے شکایت ہے بیاں ہیچ
ہے زخمِ جگر سارا دہن لیک زباں ہیچ

سچ کو نہ برا مانے اگر حسن تو کہہ دوں
ناز اتنے گراں لیک کمر ہیچ دہاں ہیچ

ہے رہ میں تری گرد کی ہر موج رواں بخش
قرباں ہو اگر جان تو ہے اس میں زیاں ہیچ

ہو خون جو کم دل سے تو رونے کو بڑھا دے
ہے عشق میں سب تفرقۂ سود و زیاں ہیچ

تن پروریٔ خلق ریاضت سے بڑھی اور
جز گرمیٔ افطار نہ لایا رمضاں ہیچ

دنیا طلبو! مفت کا سودا ہے بڑھو بھی!
آزادی ادھر ہیچ، ادھر بندِ گراں ہیچ

گردش میں ہے اس بزم میں پیمانۂ رنگ ایک
ہستی ہمہ طوفانِ بہاراں ہے خزاں ہیچ

عالم ہے تمام آئینۂ ہستی کا، عدم کیا
تا حدِ نظر آئے نظر بحر، کراں ہیچ

منصور کی رسوائی کے پردے میں نوا ہے
دیتے نہیں کچھ راز یہ خونیاں ہیچ

نکلو بھی گرفتاریٔ اوہام سے غالب
واللہ! جہاں ہیچ، بد و نیکِ جہاں ہیچ

اے کہ خوبی ہرچہ بود! در تماشایش مپیچ!
نیست غیر از سیمیا عالم بہ سودایش مپیچ!
موجہ از دریا شعاع از مہر حیرانی چراست،
محو اصلِ مدعا باش و بہ اجزایش مپیچ!
آسماں وہم است از برجیس و کیوانش مگوی
نقشِ ماہیت بہ پنہان و پیدائش مپیچ
آخر از مینا بجاہ و پایہ افزوں نیستی ...!
بندہ ساقی شود، گردن ز ایمائش مپیچ!
صورتی باید کہ باشد نغز و زیبا روزگار
گو بہ اکسونش مپوش و گو بہ دیبائش مپیچ
نامہ عنوانش بنام کست زاند تازہ است
داغ غم دارد و سوادش بر سراپایش مپیچ!
دل از آنِ تست و نعمتہای الوانش تراست
سخت درہم چوں سماطِ خوان یغمایش مپیچ!
پیش ازیں کے بود ایں ہم التفاتے بودہ است
ایں قدر بر خود ز رنجش ہائے بیجایش مپیچ!

مٹنے والے ہیچ ہے جو کچھ تماشا اس کا چھوڑ
کچھ نہیں جز سیمیا عالم تو سودا اس کا چھوڑ

لہر دریا کی، کرن سورج کی حیرانی ہے کیا
محوِ اصلِ مدعا ہو، حلِ اجزا اس کا چھوڑ

آسماں ہے وہم اس کے برج و کیواں ہوں کہاں
نقش اپنا ہیچ ہے پنہان و پیدا اسکا چھوڑ

مرتبہ تیرا نہیں، مینا سے آخر کچھ فزوں
بندۂ ساقی تو بن، ہرگز نہ ایما اسکا چھوڑ

چاہیئے دنیا کی صورت اصل میں زیبا و نغز
ہو لباسِ سادہ یا ملبوسِ دیبا اس کا چھوڑ!

نامہ کا عنواں تر و تازہ ہے تیرے نام سے
باقی غم سے پُر سراسر ہے سراپا اس کا چھوڑ

میرا دل اور اس کے سارے رنگ ہیں تیرے لئے
ٹکڑے ٹکڑے کرنا مثلِ خوانِ یغما اس کا چھوڑ

اس سے پہلے تو نہیں تھی اس قدر بھی التفات
رنجشِ بیجا غنیمت، غصہ بیجا اسکا چھوڑ

تا بشوید نهاد ما ز وسخ[1]!
گشت گرمابه ساز از دوزخ

تا چه بخشند در جهانِ دگر ! — کشتگانِ ترا چمن برزخ
ده که از کشت زار امیدم — بهره مور نیز برد ملخ
دلم اجزای نار را مدفن — درت اشخاص بقعه را ملخ
از دل آرم بسانِ دل آتش — از تو گویم برات من بر یخ
هوس ما و داغ از یک دست — نفس ما و دوام از یک نخ
برگ در خورد همت فلک است — بشکایت چه می زنیم زنخ
مور چون ساز میزبانی کرد — بسلیمان رسید پای ملخ
با تو شد هم سخن پیام گزار — چه شکیبم بار رشکش پاسخ
در سخن کار بر قیاس مکن — ترش گرد و ترش ز تلخ تلخ
قاصد من براه مرده و من — همچنان در شماره فرسخ

مرگ غالب دلت بدرد آورد !
خویش را کشت و هرزه کشت آوخ

[1] میل کچیل

چاہیے دھونا سرشت کو میری
موسمِ گرما بن گیا دوزخ!

آخرت میں بھلا وہ دیں گے کیا
تیرے کشتوں کو خلد ہے برزخ

اف کہ کشتِ امید سے میری
لے گئے بہرہ مور اور ملخ

دل مرا، میرے نالوں کا مدفن
گھر ترا اہلِ خانہ کا مسلخ

دل سے لاؤں بساطِ آتش کی
تجھ سے پاؤں براتِ سردیٔ یخ

ہوس اور دانہ کی ہے ایک ہی اصل
نفس و دوام کی ہے ایک ہی بیخ

روزی ملتی ہے ساری قسمت سے
کیا شکایت میں ہم بلائیں زنخ

مور جب میزبان بن جائے!
ہو سلیماں کا ہم مقام ملخ

نامہ بر ہمسخن ہوا تجھ سے
کیا شکیب آئے گو ملا پاسخ

ہے سخن میں قیاس کرنا غلط
ترش ہو نہ ترش نہ تلخ تلخ

نامہ بر رہ میں مر چکا ہیکن ے!
میں ابھی تک ہوں گن رہا فرسخ

غالب کی آخری غزل

آغازِ کتاب سے یہاں تک غزلوں کا انتخاب بلحاظ ردیف ترتیب وار چلا آرہا ہے چنانچہ اب تک ا ب پ ت ث ج کی سات ردیفیں ختم ہو کر آٹھویں ردیف دال کی بھی دو تین غزلیں انتخاب میں آچکی ہیں مگر اب ہم اس ردیف کی وہ غزلیں یہاں درج کر رہے ہیں جو گذشتہ سو برس میں کلیاتِ غالب میں شامل نہیں ہو سکیں تھیں۔ پہلی غزل کا فارسی

مطلع ؎ عجب کہ مژدہ وہاں رخ بسوئے ما آرند
کدام مژدہ کہ آرند واز کجا آرند ؟

اتفاق سے مرزا غالب کی آخری عمر میں آخری غزل بھی یہی ہے۔ یہاں صرف ترجمہ دیا جا رہا ہے۔ فارسی کا متن دوسری جلد میں ترجمہ سمیت دوبارہ دیا جائیگا۔

مقطع ؎ نخست عمر دگر خواہد از خدا غالبؔ
اگر نویدِ پذیرائیِ دعا آرند

عجب کہ میری طرف لوگ مژدہ ہا لائیں
کہاں سے لائیں وہ اور مژدہ کونسا لائیں

نہ زیب دیگا مرے دوستوں کو یہ اس وقت
کہ صدقہ بہرِ گدائے شکستہ پا لائیں

میں غم میں اتنا ہوا مضمحل کہ اعدا کو
روا ہے گنجِ گہر بہرِ رونما لائیں

خدا سے مانگنے کا حق بھی ہے فقط ان کو
جو پہلے بن کے مطیعِ حکمِ حق بجا لائیں

نہ لے رضائے خدا کام پا سکیں انجام
اگرچہ نجم و فلک سازِ مدعا لائیں

رہا نہ باقی مرے ساز میں کوئی نغمہ
اب اسکو توڑ دیں گر اس میں کچھ صدا لائیں

خدا سے مانگے گا اک اور عمر غالبؔ بھی
اگر نویدِ قبولیتِ دعا لائیں

سہ ساز و سامان ۔ تمام اسباب

مطلع ؎

بہ مقصدے کہ ازآں مرا رہِ خدا گویند
برو برو کہ ازالستو بیا بیا گویند

ی حرم کو رہِ حق جسے بتاتے ہیں — چلو چلو کہ ادھر سے وہ خود بلاتے ہیں
ہ جس کے پاؤں نہ ہوں کسطرح چلے راہ پر — خود اہل شرع یہاں فتویٰ کیا لگاتے ہیں
ہنیں جو نخلِ انااللهؔ گو کے رمز شناس — وہ قصہ موسیٰ کا اور طور کا سناتے ہیں
ہارے شرم ہنیں ایسے حق پرستوں کو — "انا" کا راگ بنام خدا جو گاتے ہیں
ان کی بات کوئی دل نشینِ اہل نظر — بجز صفاتِ خدا جنکی دھن وہ گاتے ہیں
ستی نہ دیکھی کتابوں میں درسگاہوں میں — وہ یادہ گوئی جو یہ برملا سناتے ہیں
ہیں وجود کہ ذنبؔ جو بے خبر کیونکر — عطائے حق کو گناہِ بشر بتاتے ہیں

ؔ تیرا وجود گناہ ہے

ؔ میں خدا ہوں کہنے والا درخت۔ قرآن میں یہ الفاظ حضرت موسیٰ کو ایک درخت سے سنائی دئے تھے
خصوصیت ہنیں کچھ اس میں لئے کلیم اتری — شجر حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں — انڈل

بجا! گنہ ہے جو ہم دعوئِ وجود کریں — جو اہلِ راز ہیں وہ اسکو سچ بتاتے ہیں

جواب اہلِ ملامت کے پاس اور ہے کیا — غضب میں آتے ہیں اور ناسزا سناتے ہیں

بنائیں خاک کو اپنی نہ زر مگر زرگر — رموزِ کیمیا لوگوں کو یہ سکھاتے ہیں

جو نیک ہونے کے ہیں مدعی وہ مجھکو اگر — نہ جانیں نیک تو کیوں گالیاں سناتے ہیں

سمجھ لو مردہ جو دنیا میں کارِ غالبِ زار
نہ بے نوا ہے نہ درویش وہ بتاتے ہیں

یہ غزل بھی کلیات غالب میں سو برس تک نہ چھپنے کی بنا پر یہاں خاص طور پر درج کی جا رہی ہے ویسے ردیف کے لحاظ سے یہ کتاب کے آخر میں آئیگی

مطلع ؎

از جسم بہ جاں نقاب تا کے
این گنج دریں خراب تا کے

مقطع ؎

غالب بہ چنیں کشاکش اندر
یا حضرت بوتراب تا کے

جان پر جسم کا نقاب کب تک — ویرانے میں گنج ناب کب تک
یہ گوہرِ پر فروغ یارب — آلودۂ خاک و آب کب تک
یہ رہروِ مسالکِ قدس — واماندۂ خورد و خواب کب تک
بے قراری ہے برق کی پل بھر — اپنا مگر اضطراب کب تک
جان کو طلبِ نجات کب تک — دل پہ طبلِ عتاب کب تک
تجھ پہ لازم ہے بے شمار حساب — رنج و غم کا مرے حساب کب تک
اس قدر کشمکش میں ہوں غالب
"یا حضرت بوتراب" کب تک

مطلع عہ

ہم انا اللہ خواں درختے را بہ گفتار آورد
ہم انا الحق گوے نرشے را سر دار آورد

خود انا اللہ خواں شجر کو طاقتِ گفتار دے
پر بشر کہدے انا الحق تو سزائے دار دے

اُف مقدّر! چرخ بھی گردش پہ خود مجبور ہے
پر نہیں مجبور وہ جو چرخ کو رفتار دے

نکتہ اک دل میں نہاں ہے کر دیں یاروں پر عیاں
دیدہ ور وہ ہے جو خود کو طاقتِ دیدار دے

گر پڑیں دانے جو سبحہ کے تو ہے دھاگا فقط
برہمن تسبیح کو ہی صورتِ زنار دے

ہے کوئی صحرا نورد اور کوئی ہے خارا شگاف
عشق ہر اک کو بحسبِ حال کاروبار دے

ننگ ہے ہمکو، اگرچہ ہو زلیخا کو پسند
جذبہ جو یوسف کو چہ سے رغبتِ بازار دے

ہم نچوڑیں جو انار اس سے ٹپک پڑتا ہے خوں
نخل جو ہم بوئیں ہمکو دل کا برگ و بار دے

منطقِ غالب میں شاہد ہے سراپا حرف و صوت
چاہیئے شاہد جو اس کو جذبۂ گفتار دے

لہ میں خدا ہوں کہنے والا درخت

یہ غزل ردیف الف کی ہے مگر یہاں صدسالہ کوتاہی کی تلافی کے سلسلہ میں ردیف دال اور ردیف یائے کے ساتھ یکجا لکھی گئی ہے ۔

مطلع ؎ جز دفعِ غم ز بادہ ہمز داست کام ما گوئی چراغِ روزِ سیاہ است جام ما

مقطع غالب بہ قول حضرت حافظ زفیض عشق ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

جز دفعِ غم شراب سے ہمکو نہیں ہے کام
گویا چراغِ روزِ سیہ ہمکو ہے یہ جام

خلوت میں اسکی بار نہیں باد کو مگر
صرصر ہی خاکِ راہ کو پہنچائے یہ پیام

اے بادِ صبح جا کے تو لا بوئے پیرہن
کچھ بوئے گل سے مطمئن اپنا نہیں مشام

ہم جب کبھی دانہ ڈالیں ہما کیلئے تو مور[1]
لے جائے آ کے دانہ، رہے خالی اپنا دام

کہتے ہو حالِ دل جو سنے گا تو ہو گا رزم
مشکل کہ پیشِ دوست لیا جائے اپنا نام

ہم سے ہیں پیام ہے، ہم سے ہیں سلام
کیوں بارِ دل کسی کو ہو یہ پیام یہ سلام

مقصود اپنا دہر سے ہے نیستی ہی جب
یارب مبادا دوست کوئی آئے اپنے کام

غالب بقولِ حضرتِ حافظ بہ فیضِ عشق
"ثبت اپنا اس جریدۂ عالم پہ ہے دوام"

[1] چیونٹی

کلیاتِ غالبؔ کی پہلی نظم

——غالبؔ کے دیباچۂ نثر سے ماخوذ——

اس نظم میں مرزا غالبؔ کے مندرجہ ذیل تین نکات خصوصی توجہ کے لائق ہیں :۔

(۱) غم بھی ایک نعمتِ خداوندی ہے جو دل میں یوں ہے جیسے بدن میں جان۔

(۲) خود نمائی بظاہر ایک بشری کمزوری ہے مگر اس کی تہ میں ایک اساسِ محکم اور پختہ بنیاد پوشیدہ ہے یعنی عنایاتِ خداوندی جو ہر بشر کو ودیعت ہوئی ہیں۔ ان باطنی قابلیتوں، صلاحیتوں اور قوتوں کو ظاہر ہونے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ اس لئے انسان طبعاً اُن کے اظہار پر مائل ہو جاتا ہے۔

(۳) لہٰذا غالبؔ "خود نمائی" کو "خدا شناسی" کا درجہ دیتا ہے۔ اپنے دیباچے میں غالبؔ اس نکتے کو یوں واضح کرتا ہے "یہ ایک جال ہے جو اپنی نمائش کے پردے میں مشاطۂ حقیقی کا ستائش نگار ہے اور یہ ایک ایسا نہال ہے جو اپنی برومندی کے سائے میں نخلبندِ ازل کا سپاس گذار ہے" ؎

حُسن و خوبی کی جو نمائش ہے ———— درحقیقت تری ستائش ہے (احقر)

اس نظم کی اولیت کلیات کے صفحات تولین کی ہی مرہون منت نہیں بلکہ معنوی حیثیت سے بھی یہ نظم حمد باری تعالےٰ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس شرف کی مستحق ہے ورنہ کلیات کے حصۂ نظم کی پہلی نظم تو خود غالبؔ کے اپنے نام سے شروع ہوتی ہے

؏ غالبؔ از خاکِ پاک تورانیم

اور ساری کی ساری مدحِ خود اور تعریفِ آباو اجداد پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس کو عام اسلامی روایت کے مطابق فاتحۃ الکتاب کا درجہ نہیں دیا جا سکتا ہر چند کہ غالبؔ کی خودی بہت بلند تھی اور ایک لحاظ سے وہ خودی کے اظہار کو بھی حمدِ خدا کی ایک صورت سمجھتا ہے اور ممکن ہے کہ اس نے جان بوجھ کر ہی پہلی نظم کا آغاز اپنے نام سے کیا ہو مگر دیباچۂ نثر کا ایک ایک لفظ حمدِ خدا اور تعریفِ خلاق کے جواہرات سے منقود ہے اور پھر اُس نثر میں جب پہلی نظم صراحتاً حمد پر مشتمل ہے تو کیوں نہ اُسی کو کلیاتِ غالبؔ کی پہلی نظم قرار دیا جائے یعنی مکاناً اور معناً بھی پہلے شعر کے مصرعِ اوّل میں الٰہی کی جان بخشی اور آشکار نوازی کی تعریف ہے۔ دوسرے مصرع

میں دو ظاہری اور دو باطنی نعمتوں کا نام لیکر خدا کا شکر کیا ہے یعنی جسم اور جان، دل اور غم اس نظم کا آخری شعر ملاحظہ ہو: ؎

ناتوانی قوی اساسیہاست
خود نمائی خدا شناسیہاست

ترجمہ:-

ناتوانی قوی اساسی ہے ٭ خود نمائی خدا شناسی ہے

اب قارئین آئندہ صفحے پر اس نظم سے خود لطف اندوز ہوں۔ ہم اس تمہید کو ختم کر کے صرف اتنا عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اس نظم کے بعد دوسری اور تیسری نظم بھی غالب کے دیباچہ نثر سے ماخوذ ہے۔ ازاں بعد کلیاتِ غالب کا حصۂ نظم شروع ہو جاتا ہے قطعات، مثنویات، قصائد، غزلیات، رباعیات اور ترکیب بند وغیرہ

غالبؔ کا ایک اور شعر بھی اس نکتے کو واضح کرتا ہے :-

؎

ودیعت بودہ است اندر نہادِ عجز ما نازے
جدا از قطرہ نتواں کرد طوفاں دستگاہی را

ترجمہ:-

ودیعت عاجزی کے ساتھ ہم کو ناز بھی اک ہے
جدا قطرے سے سیرت اس کی طوفانی کریں کیونکر؟

ششں جہاتِ غالب کو چہار جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس کی تین جلدیں چھپ کر تیار ہو چکی ہیں اور چوتھی جلد زیرِ کتابت ہے انشاء اللہ وہ بھی عنقریب ہی شائقین حضرات کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی اب آپ جلد از جلد بذریعہ وی پی یا خود تشریف لا کر خرید فرمائیں یہ جلدیں الگ الگ اور یکجا بھی دستیاب ہو سکتی ہیں۔

مثنوی

اے نہاں بخش، آشکار نواز دل بنغمہ تن بجاں گرامی ساز
شررے کز تو در دلِ سنگ ست بر رخِ گل جلوۂ رنگ ست
اے فلک ہا حباب قلزمِ تو دے زمیں لائے بادۂ خُمِ تو
بودنی بخش خوب و زشت توئی رونق کعبہ و کنشت توئی
اے گزیں نقشہا کشیدۂ تو ہرچہ و ہر کہ آفریدۂ تو
دیدہ، اجوئے خوں کشادہ تست نالہ را بال برق دادہ تست
اے مرا فسرِ خسروی دادہ پارسی را بہ من نوی دادہ
ہم بہ سلسلہ معجزتی زدہ ام کز تو در مدحِ خویشتن زدہ ام

تا توانی قوی اساسہاست
خود نمائی خدا شناسیہاست

قطعہ

نہ چنانم کہ بر عقیدۂ خویش از فسونِ کسے ہراس کنم
نہ توانم کہ از نصیحت و وعظ عالمی را خدا شناس کنم
نہ کہ اخبار باستانے را دیو افسانہا قیاس کنم
نہ کہ ز آثار ہرچہ مشہور است اثرِ تازہ اقتباس کنم

ترجمہ منظوم

مثنوی

اے نہاں اور عیاں کرم تیرا — دل کو غم[1] تن کو جاں کرم تیرا
ہے شرر تجھ سے جو درونِ سنگ — وہ رُخِ لعل میں ہے جلوۂ رنگ
تیرے قلزم میں ہیں فلک بھی حباب — اور زمیں گویا دُردِ جامِ شراب
اے کہ خلاقِ خوب و زشت ہے تو — رونقِ کعبہ و کنشت[2] ہے تو
سر جبیں نقش ہے کشیدہ ترا — جو بھی ہے وہ ہے آفریدہ ترا
آنکھ میں جوئے خوں رواں تجھ سے — آہ میں بجلیاں تپاں تجھ سے
مجھ کو بخشی ہے شانِ سلطانی — مجھ پہ نازاں ہے فارسی دانی
یہ بھی تسلیمِ عجز[3] ہے میرا — تجھ سے جو مدحِ خویشتن میں کہا

ناتوانی قوی اساسی ہے
خود نمائی خدا شناسی ہے

غالب کا ایک معیاری کردار

نہ میں ناقص کہ اپنے ایماں پر — جادوئے غیر سے ہراس کروں!
نہ میں کامل کہ وعظ و پند کے ساتھ — ایک عالم کو حق شناس کروں!
نہ میں تاریخ کے حقائق کو — دیو افسانہ پہ قیاس کروں!
نہ میں ہر یادگارِ ماضی سے — اثرِ تازہ اقتباس کروں!

---

[1] غم کو ایک نعمت قرار دے کر شکریہ ادا کیا جا رہا ہے یعنی جس طرح جسم میں جان ایک نعمت ہے اسی طرح غم دل کے لئے ایک نعمت ہے ورنہ غم کے بغیر دل بیکار رہیگا۔ [2] بت خانہ۔ مندر [3] خداداد لیاقت، طاقت اور ہنر کا انکار کرنا، جو صلاحیتوں کو

نه که از بهرِ حلّه‌ہائے بهشت — ترکِ آرائشِ لباس کنم
نه که در عالمِ فراخ روی — عار از ژندهٔ پلاس کنم
چوں نه من ساقیم نه محتسبم — نه بریزم نه مے بکاس کنم
نه بواجب ز سعیِ درمانم — نه بهرِ مدّعا مکاس کنم
بر مدارا اگر مدار نہم — کاخِ الفت قوی اساس کنم
لیک ناید ز من که در گفتار — بدحتِ لاله سود داس کنم
فصلی از مدحِ خود توانم خواند — گر نه لب را ز لاف پاس کنم
خوشنوایم مرا رسد که ز رشک — زہر در جامِ بونواس کنم
می‌توان پنجه از لقا می بُرد — پارهٔ جمع گر حواس کنم
توسنِ طبعِ من بدان ارزد — زبال پری قطاس کنم
مزرعِ خویش را بگاهِ درو — ناخنِ حور صرفِ داس کنم
ہمچو سرو از غمِ خزاں برہد — گلبنی را که من مساس کنم
کوثر از موج واکند آغوش — اگر اندازِ ارتماس کنم
چه ازیں فرقهٔ ادانشناس — خویشتن را ہلاکِ یاس کنم
بدو بیتی ز گفتہای حزیں — صفحه را طرّہ ایاس کنم
لائقِ مدح در زمانه چو نیست — خویشتن را ہمی سپاس کنم

کس زبانِ مرا نمی فہمد!
بعزیزاں چه التماس کنم

نہ میں جنت کی خلعتوں کے لئے ترکِ آرائشِ لباس کروں!
نہ وسیع مشربی میں عار، کہ میں زیبِ تن جامۂ پلاس[1] کروں!
نہ میں ساقی نہ محتسب ہوں، میں مئے گراول نہ زیبِ کاس[2] کروں!
میں نہیں واجبات کا منکر پر نہ ہر مدعا کا پاس کروں!
گر مدارات پر مدارا کروں کاخِ الفت قوی اساس کروں!
لیک مجھ سے یہ ہو نہیں سکتا بدحیت لالہ سُوروا اس کروں!
اپنی تعریف کے فسانے لکھوں لاف سے گر نہ لب کا پاس کروں!
وہ سخنور ہوں میں کہ رشک سے تلخ زہر سا جامِ بونواس[3] کروں!
بازی لے جاؤں میں نظامی سے مجتمع کچھ اگر حواس کروں!
توسنِ طبع ہے بلند اتنا نے کے بال پری قطاس[4] کروں!
اپنی کھیتی کے کاٹنے کے لئے ناخنِ جوز صرفِ داس[5] کروں؛
سرو کی طرح وہ خزاں سے چھٹے شاخِ گل جس کو میں مساس[6] کروں!
موجِ کوثر بھی وا کرے آغوش گر میں اندازِ ارتماش[7] کروں!
گر نہیں وہ ادا شناس، نہ ہوں آپ کو کیوں ہلاکِ یاس کروں!
لکھ کے دو شعرِ انتخابِ حزیں[9] صفحہ کو طُرّۂ ایاس[8] کروں!
"لائقِ مدح ہے جہاں میں کون؟ کیوں نہ اپنا ہی میں سپاس کروں!

جب نہ سمجھے کوئی زباں میری
کیا عزیزوں سے التماس کروں"

---

۱ لباس ٹاٹ ۲ پیالہ، جام ۳ مشہور عربی شاعر ۴ تو بڑے گلے میں ڈالنے کا جو دانہ گھوڑے کی دُم کے بالوں سے بنتے ہیں۔
۵ درانتی ۶ مس کرنا، چھونا ۷ خود زنی ۸ ایاز ۹ مشہور شاعر علی حزیں۔

مدح امین الدّین احمد

بہ گیتی از وفادارے جہانے ‏— محبّت را زمین و آسمانے
بدارایان بدارائے نشانہ — بدانایان بدانائی فسانہ
بہ نیرو سرکشان را پنجہ برتاب — بدانش صاحبِ آثارِ فرتاب
نظر پروانۂ شمعِ جمالش — تماشا بلبلِ باغِ خیالش
نگاہش سالکِ در دل دویدن — دلش مجذوبِ بارِ دل کشیدن
دل و جانِ تمنّا جلوہ گاہش — ہجومِ آرزوہا گردِ راہش
خطش عنوانِ نگارِ خوب روئی — لبش فرہنگ دانِ بذلہ گوئی
بہمت دہر گلشن ساز ابرے — بسطوت سینہ روزن کن ہزبرے
نہادش را ز ادراک نشانہا — زبانش راز دانائے بیانہا
خیابانِ نکوئی را نہالے — بیابانِ شگرفے را غزالے

بدریائے محبت بے بہا دُر
امین الدّین احمد خاں بہادر

مدحِ امین الدین احمد

وفاداری کا گیتی میں جہاں تو — محبت کو زمین و آسماں تو

تو دارائی میں داراؤں کی عظمت — تو دانائی میں داناؤں کی حیرت

وہ طاقت سرکشوں کا پنجہ توڑے — وہ دانش منتشر اجسام کو جوڑے

وہ شمع حسن، قرباں سب نگاہیں — وہ باغ فکر، بلبل سے جو [illegible]

نظر سالک، کہ دل میں خود سمائے — ہے دل مجذوب یا پر دل [illegible]

دل و جاں کی تمنا تیرا مسکن — ہے گرد راہ واں، ہر دل کی دھڑکن

وہ خط جو خوب روئی کا ہے عنواں — وہ لب خاموش، بذلہ گوئی کی جاں

وہ ہمت ابر ساں گلشن بنے خاک — وہ سطوت جیسے شیروں کے جگر چاک

نہاد ایسی، بلند اور با وجاہت — زباں، خود ترجمانِ فہم و فراست

نہال تو ہے، نیکی کے چمن میں — غزال خوب زیبائی کے بن میں

محبت کا ہے تو اک بے بہا دُر

امین الدین احمد خاں بہادر

قطعات

قطعہ نمبر ۱

غالب از خاکِ پاک تورانیم ‌ ‌ ‌ لاجرم در نسب فره مندیم
ترک زادیم و در نژاد ہمے ‌ ‌ ‌ بسترگانِ قوم پیوندیم
ایبکم از جماعۂ اتراک ‌ ‌ ‌ در تمامے زماه ده چندیم
فن آبائ ماکشاورزیست ‌ ‌ ‌ مرزبان زادۂ سمرقندیم
در زمعنی سخن گزارده ‌ ‌ ‌ خود چہ گوئیم تا چہ د چندیم
فیض حق را کمینہ شاگردیم ‌ ‌ ‌ عقل کل را بہینہ فرزندیم
ببلاشیکہ ہست فیروزیم ‌ ‌ ‌ بمعاشیکہ نیست خرسندیم
ہمہ برخویشتن ہمی گرییم ‌ ‌ ‌ ہمہ برروزگار می خندیم

قطعہ نمبر ۲

ساقی چو من بشنگے و افراسیابیم! ‌ ‌ ‌ دانی کہ اصل گوہرم از دودۂ جم ست
میراث جم کہ مے بود اینک بمن سپار ‌ ‌ ‌ زیں پس رسد بہشت کہ میراث آدم ست

قطعہ نمبر ١

آئے ہیں ہم خاکِ پاکِ توراں سے ۔۔۔ ہے یقیناً نسب ہمارا بلند
ہم ہیں ترک اور مرز بوم میں بھی ۔۔۔ اِن بزرگوں سے رکھتے ہیں پیوند
ترک اقوام میں ہیں ہم ایبک ۔۔۔ برتری میں ہیں ماہ سے دہ چند
فنِ آبائی ہے کشاورزی ۔۔۔ ہم ہیں جاگیر دارِ اسمرقند
معنوی خوبیاں جو پوچھو تم ! ۔۔۔ کیا کہیں خود کہ ہم میں ہیں تاچند
فیضِ حق کے ہیں کمترین شاگرد ۔۔۔ عقلِ کل کے اوّلیں فرزند
ہمنفسِ برق کے ہیں تابش میں ۔۔۔ اور بخشش میں ابر کے مانند
ہم ہیں اپنی تلاش پر نازاں ۔۔۔ جو نہیں اُس معاش پر خورسند

ہمہ تن گریاں اپنے آپ پہ ہم
سر بسر خنداں دہر پر ہر چند

قطعہ نمبر ٢

افراسیابی[١] اور پشنگی[٢] ہوں ساقیا ۔۔۔ اور خاندانِ جم سے ہے ملتا نسب مرا
میراثِ جم شراب ہے یہ مجھ کو سونپ تو ۔۔۔ جنّت کا ورثہ حصّۂ آدم میں آئے گا

---

[١] و [٢] شاہنامۂ ایران کے مشہور نام افراسیاب اور پشنگ کے ساتھ غالب اپنا حسب نسب جتانے کے لئے اپنے آپ کو افراسیابی اور پشنگی کہہ رہا ہے۔

قطعہ نمبر ۳

آنم کہ دریں بزم صریر قلم من ! — در رقص در آوردہ سپہر نہمیں را
رضواں کند از ریزۂ کلکم بہ تبرک — پیوندگری نخلۂ فردوس بریں را
ہرجا ورک اندیشہ کہ از شست کشادم — بر رہ گزرِ وحی رہ افتاد کمیں را
بر محضرِ استادیِ من بسکہ زند مُہر — بر خانۂ جسم سودہ شود نقش نگیں را
با ایں ہمہ آرائش گفتار کہ گفتم — از جبہۂ بختم نبود فاصلہ چیں را
بخت صلۂ مدح و قبولِ غزلم نیست — تسکیں بچہ بخشم دلِ ہنگامہ گزیں را

در بانگ زنی کاں ہمہ داوند بحافظ
گرم نبخش باد ولیکن چہ شد ایں را

قطعہ نمبر ۷

اے کہ در بزم شہنشاہ سخن رس گفتہٗ — کی بہ پیر گوئی فلاں در شعر ہمسنگِ منست
راست گفتی لیک میدانی کہ نبود جای طعن — کمتر از بانگِ دہل گر نغمۂ چنگِ منست
نیست نقصاں یکدو جزو ست از سواد ریختہ — کاں دژم برگی ز نخلستانِ فرہنگِ منست
فارسی بیں تا بہ بینی نقشہاے رنگ رنگ — بگزر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگِ منست
فارسی بیں تا بدانی کاندر اقلیمِ خیال — مانی و ارژنگم و آں نسخہ ارژنگِ منست
کے درخشد جوہر آئینہ تا باقیست زنگ — صیقلِ آئینہ ام ایں جوہر آں زنگِ منست
ہاں من و دیز داں بنای شکوہ بر بیہودہ است — تا نہ پنداری بہ پرخاش تو آہنگِ منست
دوست بودی شکوہ سر کردم ولی جبہ تو نیست — کایں ہمہ بیداد بر من از دلِ تنگِ منست

دلِ ہنگامہ گزیں سے اپنی قسمت کا گلہ

میں وہ ہوں کہ اس بزم میں گلبانگِ قلم سے
خود رقص میں لے آؤں سپہرِ ہنمیں کو

رضواں کو مری کلک کے ریزے ہیں تبرک
پیوند کرے نخلۂ فردوسِ بریں کو

جس تیر کو تخئیل مری پھینکے ہدف پر
وہ رہگذرِ وحی پہ جا بیٹھے کمیں کو

استادی کے محضر پہ مرے مہر لگی ہے
وہ ڈھونڈتی ہے خاتمِ جم نقشِ نگیں کو

بایں ہمہ آرائشِ گفتار کہ ہے حق
قسمت کی جبیں سے نہ ہٹا پاؤں میں چیں کو

نے مدح کا انعام نہ تحسین غزل کی
دوں کیسے میں تسکین دلِ ہنگامہ گزیں کو

اپنے فارسی کلام کے بارے میں غالب کا ذوق سے خطاب

اے کہ تو نے شاہِ نکتہ رس کی محفل میں کہا
کب بھلا پرگوئی ہے غالب مرا مسلک ہے

سچ کہا تو نے، مگر ہے طعن تیرا بے محل
ڈھول کی آواز سے کم گر نوائے چنگ ہے

گر مرا دیوانِ اردو مختصر ہے کیا حرج
یہ مرا پژمردہ برگِ گلشنِ فرہنگ ہے

فارسی دیکھ اس میں ہیں کیا نقشہائے رنگ رنگ
چھوڑ اردو کو، کہاں اردو میں میرا رنگ ہے

فارسی دیکھے تو پا جائے، کہ ملکِ فکر میں
مانی و ارژنگ ہوں نسخہ مرا ارژنگ ہے

جوہرِ آئینہ کیا چمکے اگر ہو اس میں زنگ
میں ہوں صیقل، فارسی جوہر ہے اردو زنگ ہے

میرا شکوہ از رہِ مہر و وفا ہے حق گواہ
مت سمجھ لے تو کہ مجھ کو کوئی طرحِ جنگ ہے

دوست تھا تو میں ہوا شاکی، نہ تھا تیرا قصور
یہ ستم سب مجھ پہ ہے دل کا مرے جو تنگ ہے

بخت من ناسازو خوی دوستان ناساز تر　　تا چہ پیش آید کنوں با بخت خود جنگ منست
دشمنی را ہمقفی شرط است وآں دانی کہ نیست　　از تو نبود نغمہ ور سازی کہ در چنگ منست
در سخن چوں ہمزباں و ہمنوا ے من شد　　چوں دلت را پیچ و تاب از رشک آہنگ منست
راست میگویم من واز راست سر نتواں کشید　　ہرچہ در گفتار فخر تست آں ننگ منست
میفرستم تا نظرگاہ جہاندار ایں ورق　　نامہ بر باد ار اگر خود طائر رنگ منست
دیدہ ور سلطاں سراج الدین بہادر شہ کہ او　　آں شرر بیند کہ پنہاں در رگ سنگ منست
جم حشم شاہی کہ در ہنگامہ عرض سپاہ　　میتواند گفت دارا کہ سرہنگ منست
انوری و عرفی و خاقانی سلطاں منم　　پادشہ طہمورث و جمشید و ہوشنگ منست
شاہ میداند کہ من مداح شاہم باک نیست　　گر تو اندیشی کہ ایں دستان و نیرنگ منست
از ادب دم در زحاقاں ورنہ در اظہار قرب　　خطوہ و گام تو گولی میل و فرسنگ منست

مقطع ایں قطعہ زیں مصرع معترع باد و بس
ہرچہ در گفتار فخر تست آں ننگ منست

قطعہ نمبر ۸

فرصت اگرت دست دہد مغتنم انگار　　ساقی و مغنی و شرابی و سرودی
زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند　　حق را بسجودی و نبی را بدرودی

قطعہ نمبر ۹

زاہد ز طعنہ برق فشوسم بجاں مریز　　نسبت مکن بزندقہ ای زشت خو مرا
گوئی کہ با کلام مجیدت رجوع نیست　　دل تیرہ شد ز کلفت ایں گفتگو مرا

بخت ہے ناساز، خوئے دوست ہے ناساز تر — دیکھیں کیا پیش آئے؟ اپنے بخت سے ہی جنگ ہے
دشمنی میں نہفتی ہے، شرط جو پوری نہیں — کب ترے بس میں نوا؟ پُرجس سے میرا چنگ ہے
جب نہیں تو ہمزباں اور ہمنوا میرا تو پھر — رشک کیا؟ کیسی رقابت اور کیوں یہ جنگ ہے
سچ کہوں گا اور سچی بات سے کیا احتراز — شعر میں جس پر ہے تجھ کو فخر مجھ کو ننگ ہے
اس ورق کو بھیجتا ہوں میں شہنشہ کے حضور — نامہ بر اس کا ہو طائر جو کہ میرا رنگ ہے
دیدہ ور سلطاں سراج الدین بہادر شہ کہ وہ — دیکھ لیتا ہے شرر کو جو درونِ سنگ ہے
شاہ مرا ہے جم حشم اتنا کہ کہہ سکتا ہے وہ — کون دارا؟ ہاں جو میری فوج کا سرہنگ ہے
انوری و عرفی و خاقانی سلطاں ہوں میں — شاہ مرا طورث و جمشید ہے، ہوشنگ ہے
جانتا ہے شاہ ثناخواں ہوں میں اس کا! کیا ہوا — تو اگر جانے یہ میرا حیلہ و نیرنگ ہے
دور ہوں شہ سے ادب سے ورنہ چاہوں قرب گر — گام تیرا آئے تو میرا قدم فرسنگ ہے

مقطع کو اس قطعہ کے یہ مصرع زینت دے تو بس
شعر میں، جس پر ہے تجھ کو فخر، مجھ کو ننگ ہے

ترجمہ قطعہ نمبر ۸

بہلاؤ دل اگر ملے فرصت زمانے میں — ساقی، مغنی اور شراب و سرود سے
اس قوم سے مگر نہ بنو جو فریب دے — حق کو سجود اور نبی کو درود سے

الزامِ زندقہ کی تردید میں

زاہد نہ طعن سے تو گرا مجھ پہ برقِ غم — الزامِ زندقہ نہ دے اے زشت خو مجھے!
کہتا ہے تو نہیں مجھے قرآں پہ اعتقاد — سوہانِ روح ہے تری یہ گفتگو مجھے

حق است مصحفؔ بود از روئے اعتقاد ‏ در عزّتِ کلامِ الٰہی غلوُ مرا
ہر صفحہ زاں صحیفۂ مشکیں رقم بچشم ‏ باشد نکو ترا ز خطِ روئے نکوُ مرا
شیطاں عدوست لیک از آں نامہ ہر ورق ‏ بخشد خطِ اماں ز نہیب عدوُ مرا
دانم کہ امر و نہی بود در کلامِ حق ‏ سیرابی نمیست از آں آبجوُ مرا
با اینہمہ کہ در خم و پیچ و غم و تعب ‏ سرگشتہ دارد ایں فلکِ جنگجوُ مرا
برخاستست گرد ز سرچشمۂ حواس ‏ وز حافظہ نماندہ نمے در سبوُ مرا
لاتقربوا الصلوٰۃ ز نہیم بخاطرست ‏ وز امر یاد ماندہ کلوا واشربوُ مرا

قطعہ نمبر ۱

ساقیِ بزمِ آگہی روزے ‏ راوقے ریخت در پیالۂ من
چوں دماغم رسید زاں صہبا ‏ شدم از ترکتاز وہمِ ایمن
ہمدراں سرخوشی حریفانہ ‏ بے محابا گرفتمش دامن
گفتم ای محرمِ سرائے سرور ‏ از ادب دور نیست پرسیدن
اوّل از دعوئے وجود بگو ‏ گفت کفرست در طریقتِ من
گفتم آخر نمودِ اشیا چیست ‏ گفت ہی ہی نمی تواں گفتن
گفتمش با مخالفاں چہ کنم ‏ گفت طرحِ بنائے صلح فگن
گفتم ایں حبِّ جاہ و منصب چیست ‏ گفت دامِ فریب اہرمن
گفتمش چیست منشاِ سفرم ‏ گفت جور و جفائے اہلِ وطن
گفتم اکنوں بگو کہ دہلی چیست؟ ‏ گفت جانست وایں جہانش تن
گفتمش چیست ایں بنارس؟ گفت ‏ شاہدی مست محوِ گل چیدن

ہے تو نہیں مجھے قرآں پہ اعتقاد — سو بار رد کی ہے تری یہ گفتگو مجھے
مصحف کلامِ حق ہے نہیں اسمیں کوئی شک — بے شک ہے اختراع میں اس کے علم مجھے
ہر صفحہ اس صحیفۂ شکیں رقم کا دیکھ — محبوب تر ہے تجھ سے بھی اے خوبرو مجھے
شیطان ہے عدو، مگر مصحف کا ہر ورق — پروانۂ اماں ہے خلافِ عدو مجھے
ہیں امر و نہی اس میں بجا مانتا ہوں میں — سیراب کر رہی ہے یہی آبِ جو مجھے
پر غم میں پیچ و غم میں مصیبت میں رات دن — سرگشتہ رکھتا ہے فلکِ جنگ جو مجھے
ہوش و حواس میرے ٹھکانے نہیں رہے — کر ڈالا حافظے نے بھی خالی سبو مجھے
ہے یاد مجھ کو نہی سے "لَا تقربوا الصلوٰۃ" — اور امر سے ہے یاد "کلوا و اشربوا" مجھے

ساقیِ بزمِ آگہی کے ساتھ گفتگو (قطعہ)

ساقیِ بزمِ آگہی نے جب — ڈال دی جام میں شرابِ کہن
مے سے روشن ہوا دماغ مرا — ہو گیا وہم و شک سے میں ایمن
میں نے اُس سرخوشی کے عالم میں — پوچھا ساقی سے تھام کر دامن
گر ادب سے نہ دور ہو پوچھوں — تجھ سے اے محرمِ رموزِ زمن
کیا ہے یہ "دعویٰ وجودِ اول" — بولا "ہے کفر! پڑھ طریقت من"
ہے یہ آخر نمودِ اشیا کیا؟ — بولا "اُف یہ تو ہیچ ہے ہمہ تن"
پوچھا منتیں رقیب سے کیوں کر — بولا "لے آ، تو صلح کی چلمن"
جاہ و منصب کی ہے ہوس کیا چیز؟ — ہے یہ دامِ فریبِ اہرمن[1]
پوچھا منشا سفر کا؟ تو یہ کہا — ہائے جور و جفائے اہلِ وطن
پوچھی جب میں نے بات دلی کی — تو کہا "جاں ہے یہ، جہاں ہے تن"
اور بنارس؟ کہا کہ ہے یہ تو — شاہدِ مست محوِ گل چیدن

[1] شیطان

گفتمش چوں بود عظیم آباد؟ | گفت رنگیں تر از فضائی چمن
گفتمش سلسبیل خوش باشد | گفت خوشتر نباشد از سوہن
حال کلکتہ باز جستم، گفت | باید اقلیم ہشتمش گفتن
گفتم آدم بہم رسد در وے | گفت از ہر دیار و از ہر فن
گفتم ایں جا چہ شغل سود دہد | گفت از ہر کہ ہست ترسیدن
گفتم ایں جا چہ کار باید کرد | گفت قطع نظر ز شعر و سخن
گفتم ایں ماہ پیکراں چہ کس اند | گفت، خوباں کشور لندن
گفتم ایشاں مگر دلے دارند | گفت، دارند لیکن از آہن
گفتم از بہر داد آمدہ ام | گفت بگریز و سر بسنگ مزن
گفتم اکنوں مرا چہ زیبد؟ گفت | آستیں بر دو عالم افشاندن

گفتمش باز گو طریق نجات
گفت غالب بہ کربلا رفتن

قطعہ نمبر ۱۱

چوں مرا نیست دستگاہ ستیز | چوں مرا نیست رسم و راہ مصاف
میکشایم لبے بہایا ہائے | میکشم خنجر زباں غلاف
لیک در ہجو بایدم امساک | در شکایت نشایدم اسراف
بندہ را بودہ است از سرکار | دست مزد مشقت اسلاف
زر سالانہ برائے دوام | وجہ شائستہ بقدر کفاف
ملزمم کردہ اند ہاں بہ دعا | حق من خوردہ اند ہیں بگزاف

پوچھا جب کیسا ہے عظیم آباد — بولا "رنگیں تر از فضائے چمن"
مجھے کوثر کی سلسبیل کی بات — بولا "کمتر ہے اس سے گنگ جمن"
حالِ کلکتہ پوچھا، تو یہ کہا — "ہشتم اقلیم! یہ نرالا چمن"
پوچھا، ساکن وہاں ہیں کیسے لوگ — تو کہا "سب جہاں کے ماہرِ فن"
کونسی بات سود مند ہے یاں — بولا "ہر اک سے خوفِ جان و تن"
پوچھا یاں شغل کونسا کیجے؟ — بولا "لیجے نہ نامِ شعر و سخن"
پوچھا "یہ ماہرو حسیں ہیں کون؟" — بولا "خوبانِ کشورِ لندن"
پوچھا، کیا ان کے دل بھی ہوتے ہیں — تو کہا "ہوتے ہیں مگر آہن"
جب کہا بہرِ داد آیا ہوں — بولا "پتھر سے پھوڑ لے سر و تن"
پوچھا، اب کیا کروں؟ جواب ملا — "ہر دو عالم سے جھاڑ لے دامن"

پوچھا، پھر بھی کوئی نجات کی راہ؟
بولا، ہاں! کربلا میں ڈھونڈ امن

وائے یہ حاکمانِ بے انصاف

جب نہیں مجھ کو دستگاہِ ستیز — جب نہ ہم جانوں میں رسمِ دادِ مصاف[۳]
چیخ کر میں پکاروں ہائے ہائے! — کھینچوں خنجر سے میں زباں کا غلاف
یک لازم ہے ہجو میں امساک — میں شکایت میں کم کروں اسراف
مجھ کو سرکار سے ملے دائم — دستِ مزد، مشقتِ اسلاف
زرِ سالانہ بہ سبیلِ دوام — وجہ شائستہ بقدرِ کفاف
مجھ کو گردانا جونوں ہی مجرم — کھا گئے میرا حق بہ لاف و گزاف

۱۔ ہندوستان کا ایک دریا، جس کے کنارے پر عظیم آباد (پٹنہ) ہے
۲۔ زوالِ عظمت کی علامت اور سلسلہ
۳۔ جنگ

آه از اقربائے بے آزرم
داد از حاکمان نا انصاف

قطعہ نمبر ۱۱

ای کہ خواہی کہ بعد ازیں باشم
مخلص صادق الولای تو من

گر ترا شیوہ شاہدے بودے
کردمی جان و دل فدای تو من

ور ترا پیشہ شاعرے بودے
سودمی چشم و سر بپای تو من

ور ترا پایہ خسروی بودے
سفتمے گوہر ثنای تو من

چوں ازینہا نہ مرا چہ ضرور
کہ شوم ہرزہ مبتلای تو من

راست گویم بہانہ چند آرم
ناصح مشفقم برای تو من

بسکہ بر مال و جاہ مغرورے
نیستم خوش ازیں، دای تو من

چہ کنی ایں فساد سیم و زرست
وای من گر بوم بجای تو من

بتو ہرگز نہ دادے زر و سیم
خواجہ گر بودے خدای تو من

قطعہ نمبر ۱۲

ایا بے ہنر دشمن دیو سار
چہ نازی بہنگامۂ زور و زر

زما باش فارغ کہ ما فارغیم
نداریم پروای ایں شور و شر

ترا شیوہ دزدے دما بلینو ا
تو بد روی و بدگوئی و ما کور و کر

آہ! یہ اقربائے بے شفقت
وائے! یہ حاکمانِ بے انصاف

ہجو

اے کہ چاہے ہنوں میں آج کے بعد — مخلص اور صادق الولا تیرا
گر ترا شیوہ شاعدی ہوتا — جاں بھی قربان، دِل فدا تیرا
گر ترا پیشہ شاعری ہوتا — میرے ماتھے پہ ہوتا پا تیرا
گر ترا پایہ خسروی ہوتا — ہوتا مدّاح خوش نوا تیرا
جب تو کچھ بھی نہیں تو بیہودہ — کیسے ہو جاؤں مبتلا تیرا
سچ کہوں تجھ سے کچھ بہانہ نہیں — چاہوں شفقت سے میں بھلا تیرا
تو ہے مغرورِ جاہ و مال ابھی! — ہو کے ناخوش کروں گلا تیرا
بھول مت: سیم و زر کا ہے یہ فساد — حاشا کوئی ہو مدّاح ادا تیرا

تجھ کو دیتا نہ سیم و زر ہرگز
خواجہ گر ہوتا میں خدا تیرا

ہجو عدو

تو اے بے ہنر دشمنِ دیوسار — ہے مغرور کیوں، جو ملا سیم و زر
تو ہو ہم سے فارغ کہ فارغ ہیں ہم — نہ ہم لائیں خاطر میں یہ شور و شر
ترا شیوہ دزدی ہے نادار ہم! — تو بدشکل و بدگو: ہیں ہم کور و کر

قطعہ نمبر ۲۱

ایا زیاں زدہ نا تب کہ از حدیقۂ بخت
نمی رسد بتو خاور خسے ز ہیچ سبیل

چو لازمست کہ پروردگار تا دم مرگ
بود برزق ضروریۂ عباد کفیل

چراست اینکہ نداری زراز سیاہ و سپید
چراست اینکہ بیابی بر از کثیر و قلیل

فتادہ در سر ایں رشتہ عقدۂ ورنہ
نمردہ تو و نے رازق العباد بخیل

ز چند سال برگ تو و تباہی رزق
شدست حکم خود از پیشگاہ رب جلیل

فرشتہ کہ وکیل ست بر خزائن رزق
نکرد ہیچ توقف برزق در تعطیل

دوم فرشتہ کہ یادش بخیر مقروں باد
روا نداشت در اہلاک شیوۂ تعجیل

لطیفۂ کنم از قول شاعرے تضمین
کہ در لطیفہ مرا در اکسے نبود عدیل

اگر خدائے بداند کہ زندۂ تو ہنوز
ہزار مشت زند بر دہان عزرائیل

قطعہ نمبر ۲۲

ایا محیط فضائل کہ تا تو در نظرے
نظر بہ شوکت دارا و کیقباد م نیست

بدیدہ سرمہ کشم از سواد نامۂ تو
اگرچہ دیدہ شناسائے آں سوادم نیست

تو اصل دانش و دانستہ کہ از نہ سال
ہمی تپم بہ تمنائے داد و دادم نیست

بصدری رود ایں باز پرس بسم اللہ
ہمیں مراد من ست و جز ایں مرادم نیست

تو کردی و تو کنی کارم اعتقاد انیست
بکار سازی بخت خود اعتقادم نیست

رسیدمی و بپائی تو سودمی سر عجز
بضاعت سفر و دستگاہ زادم نیست

لطیفہ (ترجمہ قطعہ)

زباں نصیب تجھے خوردہ خار و خس بھی ملے
حدیقۂ بخت کا تیرے ہے گو عریض و طویل

تو مانتا ہے کہ پروردگار تا دمِ مرگ
ہے اپنے بندوں کی روزی لازمہ کا کفیل

تو کیوں نہ تجھ کو شب و روز سیم و زر بخشے
ثمر مراد کا تجھ کو نہ دے کثیر و قلیل

پڑی ہے رشتہ میں کوئی گرہ وگرنہ ابھی
نہ تو ہے مردہ نہ رزاقِ بندگاں ہے بخیل

کئی برس سے تری مرگ و بندِ رزق کا حکم
صدور کر چکی ہے بارگاہِ ربِ جلیل

فرشتہ جس کی کفالت میں ہیں خزائنِ رزق
کیا نہ اس نے توقف: کی رزق میں تعطیل

فرشتہ دوسرا یادش بخیر! اس کی سنو
تمہاری موت میں اس کو روا نہیں تعجیل

کروں گا میں یہاں تضمینِ قولِ شاعر پہ
نہیں لطیفے میں جس کا کوئی مثیل و عدیل

خبر خدا کو ملے گر کہ تو ہے زندہ ہنوز
کرے ہزار طمانچے نصیبِ عزرائیل

لندن میں غالب کی درخواست جانے کا ذکر جس خط میں تھا اسکے جواب میں

تو اے محیطِ فضائل نظر میں ہے جبتک
نظر میں شوکتِ دارا و کیقباد نہیں

سواد نامہ کو تیرے بنا دوں سرمۂ چشم
اگرچہ آنکھ نے دیکھا ترا بلاد نہیں

ہے جانِ معنی پہ روشن کہ نو برس سے میں
تڑپ رہا ہوں ملے داد اور داد نہیں

ہزار شیوۂ گفتار، اک قبول نہیں
ہزار بستگیٔ کار! اک کشاد نہیں

چلی ہے عرضی مری اب جو صدرِ لندن تک
یہی مراد تھی اک، اور کچھ مراد نہیں

کیا بھی تو نے کریگا بھی تو مرا ہر کام
یہ اعتقاد ہے! قسمت کا اعتقاد نہیں

رسید می دبیابی تو سود می سر بیز | بضاعت سفر و دستگاه زادم نیست
مفید مطلب من ہ کتابتی کہ بو د | تو جمع کن کہ بسانہ آں مپیغ یادم نیست
امید لطف تو دل می دہد بدیں شادم | دگرنہ تاب صبوری ازیں زیادم نیست
بذوق قرب زمان مراد بے تابم | دگرنہ شورش تعجیل در نہادم نیست
بہ نیمروز بہ لندن رساند می زورق | دلی چہ چارہ کہ فرماں برابادم نیست

بہ التفات تو صد گونہ اعتمادم ہست
دلی شتاب کہ بر عمر اعتمادم نیست

قطعہ نمبر ۳۴

منم بدہر کہ پیش از وجود لوح و قلم | بخامہ شیوۂ تحریر کردہ ام تلقین
قلم ز نسبت دستم نہال روضۂ خلد | ورق ز صنعت کلکم نگار خانۂ چیں
دلم خزینۂ راز دو عالم ست و لے | ز بے زبانی خویشم بگنج راز امیں

قطعہ نمبر ۶۲ نوحہ

اے فلک شرم از ستم بر خاندان مصطفٰے | داشتی زیں پیش سر بر آستان مصطفٰے
اے بمہر و ماہ نازاں ہیچ میدانی چہ رفت | از تو بر چشم و چراغ دودمان مصطفٰے
سایہ از سرو رواں مصطفٰے نفتد بخاک | ہاں چہ بر خاک افگنی سرو روان مصطفٰے
کینہ خواہی ہیں کہ با اولاد امجادش کنی | انچہ با مہ کردہ اعجاز بنان مصطفٰے
نیک نبود کز تو بر فرزند دلبندش رسد | انچہ رفت از مرتضٰی بر دشمنان مصطفٰے

بں کاش پہنچوں سر عجز پاؤں پر رکھوں
سفر کی پر نہیں ہمت، سفر کا زاد نہیں

ہ ہر حوالہ جو میرے مفید مطلب ہو
تو جمع کر کہ مجھے جملہ جملہ یاد نہیں

زے ہی لطف کی امید دل کی دُعا رہی ہے
وگرنہ صبر کی طاقت تو کچھ زیاد نہیں

ہوں ذوقِ قربِ زمانِ مراد سے بیتاب
یہ جلد بازی وگرنہ مری نہاد نہیں

بں نیم روز میں لے جاؤں کشتی لندن تک
پہ میرے تابعِ فرمان آب و باد نہیں

ہے التفات پہ صد گونہ اعتقاد مجھے!
وے شتاب! کہ خود جاں کا اعتماد نہیں

قطعہ نمبر ۳۴

وجودِ لوح و قلم سے بھی پیشتر میں نے
کیا تھا شیوۂ تحریر خامہ کو تلقیں

قلم ہے ہاتھ میں میرے نہالِ روضۂ خلد
ورق ہے میری رقم سے نگار خانۂ چیں

خزانہ رازِ دو عالم کا دل مرا ہے مگر
میں بیزبانی سے اس گنجِ راز کا ہوں امیں

نوحۂ شہیدانِ کربلا

ے فلک رُک مٹ نہ جائے خاندانِ مصطفےٰ
تیری سجدہ گاہ تھا۔ یہ آستانِ مصطفےٰ

ے سپہرِ مہر و ماہ، تو نے یہ ہم سے کیا کیا؟
پوچھیں خود چشم و چراغِ دودمانِ مصطفےٰ

ما یہ گرنا ہی نہ تھا، سرورِ رواں کا خاک پر
تو گرائے خاک پر "سروِ روانِ" مصطفےٰ

ف یہ کینہ! اسکی تو اولاد سے، وہ کچھ کرے
ماہ سے جو کچھ، کہ اعجازِ زبانِ مصطفےٰ

ف! ترے ہاتھوں وہ پہنچے اسکے فرزندوں کو دکھ
مرتضیٰ سے تھے جو پاتے دشمنانِ مصطفےٰ

گرمیٔ بازارِ امکاں خود طفیلِ مصطفےٰ ست
ہیں چہ آتش میزنی اندر دکانِ مصطفےٰ

یا تو دانی مصطفےٰ را فارغ اندر رنجِ حسینؓ
یا تو خواہی زیں مصیبت امتحانِ مصطفےٰ

یا مگر گاہی ندیدی مصطفےٰ را با حسینؓ
یا مگر ہرگز نبودے در زمانِ مصطفےٰ

آں حسینؓ ست ایں کہ سودی مصطفےٰ چشمش برخ
بوسہ چوں باقی نماندی در دہانِ مصطفےٰ

آں حسینؓ ست اینکہ گفتی مصطفےٰ روحی فداک
چوں گزشتے نام پاکش بر زبانِ مصطفےٰ

قدسیاں را نطقِ من آوردہ غالبؔ در سماع
گشتہ ام در نوحہ خوانی مدح خوانِ مصطفےٰ

گرمیٔ بازارِ امکاں ہے طفیلِ مصطفیٰ / تو مگر چاہے جلا ڈالے دکانِ مصطفیٰ

کیا تو سمجھا مصطفیٰ کو ہے نہیں رنجِ حسینؑ / یا مصیبت سے تو چاہے امتحانِ مصطفیٰ

مصطفیٰ کی گود میں دیکھا نہ تھا تو نے حسینؑ / یا نہ تھا موجود تو جب تھا زمانِ مصطفیٰ

یہ وہی ہیں جن کے رُخ پر آنکھ ملتے تھے رسولؐ / خالی جب بوسوں سے ہو جاتا دہانِ مصطفیٰ

مصطفیٰ کہتے میں قرباں تیرے اے میرے حسینؑ / جب بھی لیتی نامِ پاک اُن کا زبانِ مصطفیٰ

قدسیوں کو نطق میرا لایا غالبؔ وجد میں
نوحہ خوانی میں ہوا میں مدح خوانِ مصطفیٰ

قصۂ حسنِ طلب

گفتم بہ خرد بجلوتِ اُنس / کاے شمع و چراغ ہفت ایواں
آیا ز چہ بُوَد کہ نواب / نہ نوشت جواب نامہ ام ہاں
آں گونہ عریضۂ کہ دانی / درویش نوشتہ سوئے سلطاں
آں گونہ قصیدۂ کہ گوئی / زصغرہ دمید سنبلستاں
ایں ہر دو رسید و نیست پیدا / زاں سو اثرے بہ ہیچ عنواں
رنجیدہ مگر ز مدح نواب / اے کاش نہ گشتمے ثنا خواں
ہیہات چہ گفتہ ام کہ باشم / از گفتۂ خویشتن پشیماں
عقلم جواب گفتہ غالب / زنہار مخور فریب شیطاں
نواب بہ فکر ارمغان ست / تا نامہ فرستدت بساماں
واں ہا کہ بخاطرش گذشتہ است / زود آں ہمہ جمع کردن نتواں
زود ست کہ جمع نیز گردد / دیر است کہ دادہ است فرماں
تا رہروانِ بحر و بر / گرد آرند بکوشش فراواں
دیبا ز دمشق مخمل از روم / الماس ز معدن و زر از کاں
فیل از دکن و زمرد از کوہ / توسن ز عراق، دُر ز عماں
فیروزۂ نغز از نشاپور / یاقوت گیرند از بدخشاں
جمازۂ تیز رو ز بغداد / شمشیر برندہ از صفاہاں
پشمینۂ قیمتی ز کشمیر / زر بفت گرانبہا ز ایراں

حسنِ طلب کا ایک دلچسپ قصّہ

یہ پوچھا میں نے خلوت میں خرد سے / کہ اے چشم و چراغِ ہفت ایواں

بتا مجھ کو سبب نوّاب نے کیوں / جواب خط نہیں بھیجا ہے مجھے، ہاں

تجھے معلوم ہے کہ اک عریضہ / لکھا درویش نے تھا سوئے سلطاں

قصیدہ بھی تھا اک ایسا کہ گویا / اُگا کاغذ کے تختے پر گلستاں

یہ دونوں اس کو پہنچے پر ابھی تک / نتیجہ کچھ نہیں ہم پر نمایاں

ہوا مدح و ثنا سے کیوں وہ ناراض / نہ ہوتا کاش میں اس کا ثنا خواں

بجانے لکھ دیا کیا میں نے ہائے / کروں کیا عذر ہوں دل سے پشیماں

خرد مجھ سے ہوئی گویا کہ غالب / نہ کھا ہرگز فریب و مکرِ شیطاں

اُدھر نواب کو ہے فکرِ انعام / کہ خط بھیجے تجھے با ساز و ساماں

اسے سوجھے ہیں وہ تحفے کہ جن کا / نہیں ہے جمع کرنا جلد آساں

مگر اب جمع ہو جائیں گے جلدی / بہت مدت سے جاری ہے یہ فرماں

کہ بحر و بر کے رہرو کر کے کوشش / کریں چیزیں فراہم یہ فراواں

دمشقی دیبا ہو اور مخمل روم / ہو زر معدن کا اور الماس بازکاں

زمرّد کوہ سے ہاتھی دکن سے / عراقی گھوڑا اور دُر ہائے عماں

وہ نیشاپور سے فیروزہ لائیں / مگر یاقوت کو جائیں بدخشاں

وہ لائیں اونٹنی بغداد سے تیز / مگر شمشیر ہو تیغِ صفاہاں

وہ پشمینہ کی خاطر جائیں کشمیر / مگر زربفت لینے جائیں ایراں

فی الجملہ ز رنگ چوں ازیں رست — بر رنج و ملال نیست برہاں
چوں پیرِ خرد ز دلفریبی — گفت اینہمہ رازہائے پنہاں
گشتم بدم امید واری — مرہم نہ زخمِ یاس و حرماں
گفتم کہ چوں با من ایں کرم کرد — آں قبلہ و قبلہ گاہ اعیاں
ناچار ز راہ حق گزاری — تا کردہ شود تلافیِ آں
من نیز طلب کنم بر آنش — ایں خواہش اگرچہ نیست آساں
آئینہ و تاج از سکندر — انگشتری و تخت از سلیماں
از عالمِ غیب جامِ جمشید — ز چشمۂ خضر آبِ حیواں
عمر ابد و نشاطِ جاوید — نیروئے دل و ثباتِ ایماں

توفیقِ جواب نامۂ خویش
توقیعِ عطا و بذلِ احساں

ترکیب بند

غالب کا مشہور زنداں نامہ

(حبسیہ)

جو سو برس تک کلیات غالب میں شامل نہ ہو سکا

اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

ہے ساری دیر ہی جب اس سبب سے — ملال و رنج کی کچھ کیا ہے بڑھاں
جو ایسی دلفریبی سے خرد نے — بتائے مجھ کو سب اسرار پنہاں
ہوئی امید زندہ اس کے دم سے — ہوئے سب دور رنج و یاس و حرماں
یہ سوچا میں نے جب اس نے کہ مجھ پر — کرم اتنا کیا ہے اور احساں
تو مجھ پر بھی ہے لازم حق گزاری — تلافی کے لئے ہو جاؤں کوشاں
طلب اس کے لئے کرتا ہوں میں بھی — یہ خواہش گو نہیں کچھ ایسی آساں
سکندر سے ملے آئینہ و تاج — نگین و تخت دونوں دے سلیماں
میسر غیب سے ہو جامِ جمشید — ملے خود خضر سے بھی آبِ حیواں
ابد تک عمر اور جاوید راحت — ہو طاقت دل میں اور اثباتِ ایماں

جوابِ خط کی بھی توفیق پائے
مقدر ہو، عطا و بذلِ احساں

ترکیب بند

غالب کا مشہور زنداں نامہ

(ضمیمہ)

جو سو برس تک کلیاتِ غالب میں شامل نہ ہو سکا

اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

بند اول

خواہم از بند بہ زندان سخن آغاز کنم
غم دل پردہ دری کرد، فغاں ساز کنم

بہ نوائے کہ ز مضراب چکاند خوناب
خویشتن را بہ سخن زمزمہ پرداز کنم

در خرابی بہ جہان میکدہ بنیاد نہم
در اسیری بہ سخن دعوی اعجاز کنم

بے مشقت نبود قید، بہ شعر آویزم
روزکے چند رسن تابی آواز کنم

چون سرایم سخن، انصاف ز جرم خواہم
چون نویسم غزل، اندیشہ ز غماز کنم

تا چہ افسون بہ خود از ہیبت صیاد دمم
تا چہ خون در جگر از حسرت پرواز کنم

یار دیرینہ قدم رنجہ مفرما کاین جا
آن نگنجد کہ تو در کوبی و من باز کنم

ہائے ناسازی طالع کہ بہ من گردد باز
با خرد شکوہ گر از طالع ناساز کنم

اہل زندان بہ سر و چشم خودم جا دادند
تا بدین صدر نشینی چہ قدر ناز کنم

بلہ و دزدان گرفتار، وفا نیست بہ شہر
خویشتن را بہ شما ہمدم و ہمراز کنم

من گرفتارم و این دایرہ دوزخ تن زن
در سخن پیروی شیوۂ ایجاز[۱] کنم

گرچہ توقیع گرفتاری بیدادم نیست
لیکن از دہر دگر خوشدلی امیدم نیست

[۱] ایجاز ۔ فصاحت و بلاغت کا کمال دکھاؤں

بندِ اوّل

قید میں قید کی رُوداد کا آغاز کروں
پردہ دارِ ہے غمِ دل، آہ و فغاں ساز کروں

ہے نوا ایسی کہ مضراب سے ٹپکے خوناب
جس سے میں اپنے تئیں زمزمہ پرداز کروں

دہر برباد ہوا میکدہ کردوں اس کو
قید میں شاعری کا دعوئ اعجاز کروں

بے مشقت ہے کہاں قید، یہ چکی دیکھو
شاعری اور رسن تابئ آواز کروں

جب پڑھوں شعر تو مجرم سے بھی چاہوں انصاف
جب غزل لکھوں تو اندیشۂ غماز کروں

خود ہی دم ہیبتِ صیاد سے خود پر پھونکوں
اور جگر چیروں میں حسرت سے کہ پرواز کروں

یارِ دیرینہ قدم رنجہ نہ فرما کر یہاں
یوں نہیں کر تری دستک میں در باز کروں

ہائے ناسازئ طالع کہ وہ پھر لوٹ آئے
گر خود سے گلۂ طالعِ ناساز کروں

اہلِ زنداں نے بٹھایا مجھے سر آنکھوں پر
بارے اس صدر نشینی پہ میں کیا ناز کروں

اٹھو زنداں گرفتار، وفا اٹھ بھی گیا
شہر سے آ کے تمہیں ہمدم و ہمراز کروں

میں گرفتار ہوں، یہ دائرہ در نسخ، تاہم
شعر میں پیروئ شیوۂ ایجاز[1] کروں

گو مجھے حکمِ گرفتارئ جاوید نہیں
دہر میں پھر بھی خوشی کی مجھے امید نہیں

[1] اختصار، بلاغت کا کمال

بند دوم

شمع هر چند به هر زاویه آسان سوزد
خوشتر آنست که بر قطع در ایوان سوزد

عودِ من هرزه مسوزید، دگر سوختنی ست
بگذارید که در مجمرِ سلطان سوزد

خانه ام ز آتشِ بیدادِ عدو سوخت دریغ
سوختن داشت ز شمعے که شبستان سوزد

منم آن خسته که گر زخمِ جگر بنمایم
بر من از مهر دلِ گبر و مسلمان سوزد

منم آن سوخته خرمن که ز افسانۂ من
نفسِ راهرو و رهزن و دهقان سوزد

منم آن قیس که گر سوی من آید لیلیٰ
محمل از شعلۂ آوازِ حدی خوان سوزد

تا چسانم گذرد روز، به شبها دریاب
از چراغے که عسس بر درِ زندان سوزد

تنم از بند در انبوهِ رقیبان لرزد
دلم از درد بر اندوهِ اسیران سوزد

از نمِ دیدۂ من خستۂ طوفان خیزد
از تفِ نالۂ من جوهرِ کیوان سوزد

آه ازین خانه که روشن نشود در شبِ تار
جز بدان خواب که در چشمِ نگهبان سوزد

آه ازین خانه که در وے نتوان یافت هوا
جز ہمونے که خس و خارِ بیابان سوزد

اے که در زاویه شبها نه چراغم شمری
دلم از سینه بر دل آر که داغم شمری

بندِ دوم

شمع ہر رنگ میں ہر گوشۂ امکاں میں جلے
پر ہے خوشتر یہ اگر نطع[1] پر ایواں میں جلے

استخواں میرا نہ بیکار جلاؤ ؛ چھوڑو
ہے اگر سوختنی ؛ مجمرِ سلطاں میں جلے

جل گیا آتشِ بے دُودِ عدو میں گھر ہائے
تھا یہ اس شمع کے لائق جو شبستاں میں جلے

میں ہوں وہ خستہ اگر زخمِ جگر دکھلاؤں
آتشِ درد دلِ گبر و مسلماں میں جلے

میں ہوں وہ سوختہ خرمن کہ مرے حال سے آگ
نفسِ راہرو و رہزن و دہقاں میں جلے

میں ہوں وہ قیس اگر لیلیٰ کرے رخ میرا
محمل، اُف، شعلۂ آوازِ حدی خواں میں جلے

دن مرا کیسے گزرتا ہے یہ شب کو آ دیکھ
اس دیئے سے جو کسی کے درِ زنداں میں جلے

تن مرا قید میں لرزاں ہے رقیبوں[2] میں مگر
دل مرا دردِ اندوہِ اسیراں میں جلے

یاں نمِ دیدہ سے اک فتنۂ طوفاں اٹھے
واں زحل میرے تفِ نالہ سے کیواں میں جلے

کوئی شے رات کو روشن نہیں ہوتی اس گھر
ماسوا خواب کے جو چشمِ نگہباں میں جلے

آتی اس گھر میں ہوا بھی نہیں جز بادِ سموم
ہاں وہی جس سے خس و خارِ بیاباں میں جلے

گھٹتا ہے راتیں مری دیکھ کے تو شب کو چراغ
چیر کر سینہ مرا دیکھ میرے دل کے بھی داغ

---

[1] چرمی فرش [2] ہم پیشہ مجرم

بندِ سوم

پاسبانان ہمہ آئید کہ من می آیم
درِ زندان بکشائید کہ من می آیم

ہر کہ دیدے، بہ درِ خویش سپاسم گفتے
خیر مقدم بسرائید کہ من می آیم

جادہ نشناسم و ز انبوہِ شما می ترسم
راہم از دُور نمائید کہ من می آیم

رہروِ جادۂ تسلیم درشتی نکند
سخت گیرندہ چرائید کہ من می آیم

خستہ تن در رہ و تعذیب فرورست اینجا
نمک آرید و بسائید کہ من می آیم

عارضِ خاک بہ پاشیدنِ خون تازہ کنید
رونقِ خانہ فزائید کہ من می آیم

چون من آیم بہ شما، شکوۂ گردون نہ رواست
زین سپس ژاژ[لہ] مخائید کہ من می آیم

ہاں، عزیزان کہ درین کلبہ اقامت دارید
بختِ خود را بستائید کہ من می آیم

تا بہ دروازۂ زندان پئِ آوردنِ من
قدمے رنجہ نمائید کہ من می آیم

چون سخن سنجی و فرزانگی آئینِ من است
بہرہ از من بربائید کہ من می آیم

بہ خود از شوق ببالید کہ خود بازروید
بہ من از مہر گرائید کہ من می آیم

بسکہ خویشاں شدہ بیگانہ ز بدنامئ من
غیر نشگفت خورد گر غمِ ناکامئ من

لہ بیہودہ گوئی، واہیات بات — ژاژ اس خار دار گھاس کو کہتے ہیں جو اونٹ کھاتا ہے

بندسوم

پاسبانو! ادھر آجاؤ کہ میں آتا ہوں — درِ زنداں کو بھی کھول آؤ کہ میں آتا ہوں

مجھ کو دروازے پہ دیکھو تو کرو میرا سپاس — خیرِ مقدم کی دھنیں گاؤ کہ میں آتا ہوں

واقفِ رہ نہیں، جگمٹ سے بھی گھبراتا ہوں — دُور سے راستہ دکھلاؤ کہ میں آتا ہوں

رہروِ جادۂ تسلیم تشدد نہ کرے — سخت گیری پہ نہ اُتر آؤ کہ میں آتا ہوں

زخم ہیں تن پہ سفر سے، یہاں لازم ہے سزا — تم نمک پاشی کو آجاؤ کہ میں آتا ہوں

عارضِ خاک کو خوں پاشی سے تازہ کر دو — رونق افزائی کو آجاؤ کہ میں آتا ہوں

تم میں شامل ہوا میں شکوۂ فلک کا چھوڑو — اس تشکر میں نہ گھبراؤ کہ میں آتا ہوں

اے عزیزو کہ اقامت ہے تمہاری اس گھر — اپنے بختوں پہ تم اتراؤ کہ میں آتا ہوں

مجھ کو لینے کے لئے تا درِ زنداں سب لوگ — کچھ قدم رنجہ بھی فرماؤ کہ میں آتا ہوں

ہے سخن سنجی و فرزانگی شیوہ میرا — بہرہ ور ہونے کو آجاؤ کہ میں آتا ہوں

اب نہ پھولے میں سماؤ کہ خوشی سے ناچو — جھوم کر مجھ سے لپٹ جاؤ کہ میں آتا ہوں

اپنے بیگانے سبھی سنتے ہی بدنامی مری

غیر بھی سہم گئے دیکھ کے ناکامی مری

بند چهارم

آنچه فرداست هم امروز در آمد گوئی | آفتاب از جهتِ قبله در آمد گوئی

دل و دستے که مرا بود فرو ماند ز کار | شب و روزے که مرا بود سر آمد گوئی

سرگذشتم همه رنج و الم آرد گفتی | سرنوشتم همه خوف و خطر آمد گوئی

بهرهٔ اهلِ جهان چون ز جهان درد و غم است | بهرهٔ من ز جهان بیشتر آمد گوئی

خستن و بستنِ من حدِ کسے نیست برد | بر من اینها ز قضا و قدر آمد گوئی

هنرم را نتوان کرد به خستن ضائع | خستگی غازهٔ روئے هنر آمد گوئی

غمِ دل داشتم اینک غمِ جانم دادند | زخم را زخمِ دگر بر اثر آمد گوئی

چرخ یک مردِ گران مایه به زندان خواهد | یوسف از قیدِ زلیخا بدر آمد گوئی

مژه امشب ز کجا این همه خوناب آورد | این چنین گرم نه زخمِ جگر آمد گوئی

خود چرا خون خورم از غم که بغمخواریِ من | رحمتِ حق به لباسِ بشر آمد گوئی

خواجهٔ هست درین شهر که از پرسشِ وی | پایهٔ خویشتنم در نظر آمد گوئی

مصطفیٰ خان که درین واقعه غمخوارِ من است

گر بمیرم چه غم از مرگ، عزادارِ من است

بندِ چہارم

آ گیا آج جو کل آنا تھا فردا گویا — جانبِ غرب سے سورج نکل آیا گویا

دست و دل میرے توانا ہوئے یکسر عاجز — جیتے جی اٹھ گیا ہے میرا جنازا گویا

رنج و غم سے ہے مری عمرِ گذشتہ بھرپور — سر بسر خوف و خطر ہی تھا نوشتا گویا

بہرۂ اہلِ جہاں ہے جو جہاں سے غم ہی — بڑھ گیا حصہ جہاں بھر سے ہے میرا گویا

خستہ دلِ بستہ مجھے رکھتا ہے عسس کا دم کیا — مجھ پہ یہ حکم قضا و قدر آیا گویا

خستگی سے مری کب میرا ہنر ہو ضائع — خستگیِ روئے ہنر پر ہوئی غازا گویا

غمِ دل پہلے تھا، لو اب غمِ جاں بھی آیا — زخم پر زخم دگر آیا کھنڈر پا گویا

قید میں مانگے فلک مرد گرانمایہ ایک — قید خانے سے ہے یوسف نکل آیا گویا

آنکھ نے لوٹا تھا خونناب کہاں سے سا تنا — گرم خوں زخمِ جگر سے ہی یہ نکلا گویا

غم کا کیا غم مجھے غمخواری کو میری جب ہے — کرمِ حق بہ لباسِ بشر آیا گویا

شہر میں آتا ہے اک جس کی کہ پرستش سے ہوا — مرتبہ میرا جو پنہاں تھا، ہویدا گویا

مصطفٰی خان کہ اس غم میں ہے غمخوار مرا

مر بھی جاؤں تو نہیں غم، ہے عزادار مرا

بند پنجم

خواجه دانم که بسے روز نمانم در بند
لیک دانی که شب از روز ندانم در بند

نپسندم که کس آید نتوانم که روم
جانب در به چه حسرت نگرانم در بند

خسته ام خسته من و دعویِ تمکین حاشا
بند سخت است، تپیدن نتوانم در بند

شادم از بند که از بندِ معاش آزادم
از کفِ شحنه رسد جامه و نانم در بند

نامه و خامه بیارید و سجل بنویسید
خواب از بخت همی وام ستانم در بند

یارب این گوهرِ معنی که فشانم ز کجاست
بند بر دل بود و نیست زبانم در بند

هر کس از بندِ گران نالد و ناکس که منم
نالم از خویش که بر خویش گرانم در بند

خویِ خوش بهرِ مصیبت زده رنجے دگر است
رنجه از دیدنِ رنجِ دگرانم در بند

رفته در بارهٔ من حکم که با درد و دریغ
شش مه از عمرِ گرامی گذرانم در بند

اگر این است، خود آنست که عیدِ اضحیٰ
گذرد نیز چو عیدِ رمضانم در بند

مدتِ قید اگر در نظرم نیست چرا
خونِ دل از مژه بے صرفه چکانم در بند

نیستم طفل که در بندِ رهائی باشم
هم ز ذوق است که در سلسله خائی باشم

بندِ پنجم

گرچہ خواجہ، چند دن کا میں ہوں مہماں قید میں — پر نہیں ہے روز و شب کا ہوش چنداں قید میں

جا سکوں خود، غیر ممکن، کوئی آئے ناپسند — کس قدر حسرت سے سوئے در ہوں نگراں قید میں

مر چلا اُف صبر کا دامن چھٹا اور اب نہیں — سخت بندش میں تڑپنے کا بھی امکاں قید میں

قید میں خوش ہوں کہ ہوں قیدِ معیشت سے بری — دستیاب و صرف ہے جامہ و ناں قید میں

لاؤ خامہ اور دوات اور لکھ دو خود مکتوب بھی — خواب کا میں بختِ خفتہ سے ہوں خواہاں قید میں

گوہرِ معنی کی بارش مجھ سے یارب کس طرح؟ — ہے زباں آزاد گو، دل پابجولاں قید میں

ہر کوئی بندِ گراں میں ہے پڑے پر میں بدنصیب — آپ اپنے پر گراں ہوں جب گل گریاں قید میں

ہے مصیبت میں یہ جی سے خوش مصیبت ور ابھی — رنجدل ہوں دیکھ کر میں رنجِ دگراں قید میں

میرے حق میں حکم وا سد ہے کہ بادر ود رنج — ماہ شمشِ عمرِ گرامی کے ہوں گزراں قید میں

گر یہی ہے حال، مستقبل میں بھی عیدِ صیام — مجھ پہ گزرے گی مثالِ عیدِ رمضاں قید میں

گر نہیں ہے میرے دل پہ قید کی وحشت گراں — خونِ دل سے کیوں ہے دیدۂ تر دُر افشاں قید میں

میں نہیں بچہ کہ عذر اپنی رہائی پہ کروں

تڑپتا ہوں میں اگر بہ زنجیر: ہے ذوقِ جنوں

بند ششم

من نہ آنم کہ ازین سلسلہ ننگم نبود — چہ کنم چون بہ قضا زہرۂ جنگم نبود

زین دو رنگ آمدہ صد رنگ خرابی بظہور — گلہ نیست کہ از بخت دو رنگم نبود

رازدانا غم رسوائی جاوید بلاست — بہر آزار غم از قید فرنگم نبود

لرزم از خوف دریں حجرہ کہ از خشت و گل است — ورنہ در دل خطر از کام نہنگم نبود

زین دو سرہنگ کہ پویندہ ہم، می ترسم — بیمے از شیر و ہراسے ز پلنگم نبود

منم آئینہ و ایں حادثہ زنگ است و لے — تاب بدنامی آلایش زنگم نبود

آہ ازان دم کہ سر ایند ز زندان آمد — اندرین دائرہ گیرم کہ درنگم نبود

ہمدمان، دارم امید رہائی در بند — دامن از بعد رہائی تہ سنگم نبود

جور اعدا رود از دل بہ رہائی لیکن — طعن احباب کم از زخم خدنگم نبود

بہ تکلف قلم از سینہ برون می ریزد — بس کہ گنجائی غم در دل تنگم نبود

حاش للہ کہ درین سلسلہ باشم خوشنود — چہ کنم چون سر این رشتہ بہ چنگم نبود

بہ صریر قلم خویشتن بود مستی من

اندرین بند گران بین دستگہ ستی من

بندِ ہشتم

یوں نہیں کہ نہیں اس سلسلے میں مجھ کو ننگ — پر کروں کیا جو قضا سے بھی نہیں ہرزہ جنگ

بختِ وارونگ سے صد رنگِ خرابی نکلے — کتنے ہیں مجھ کو گلے بخت سے ہے بختِ دو رنگ

صد بلا اک غمِ رسوائی جاوید ہے، دوست — ورنہ کیا غم جو ہو آزردگیٔ قیدِ فرنگ

اینٹ اور مٹی کے حجرے میں ہوں ڈر سے لرزاں — ورنہ دل میں نہیں دہشتِ خونخوار نہنگ

حملہ آور ہیں یہ وہ میں ہوں ہراساں جن سے — دہشتِ شیر نہیں مجھ کو نہ ہے خوفِ پلنگ

میں ہوں آئینہ مگر حادثہ مجھ کو ہے زنگ — جھیل لوں کیسے یہ بدنمائی آلائشِ زنگ

ہائے جب لوگ پکاریں گے "وہ آیا قیدی" — ہائے اس قید کی مدت میں نہیں دیر و درنگ

قید میں رکھے گی امیدِ رہائی مجھ کو — گر رہا بعدِ رہائی بھی یہ دامن تہِ سنگ

جورِ اعدا نہ رہے یاد رہائی پہ بیک — طعنۂ احباب کا دل دوز ہے جوں زخمِ خدنگ

نکلے سینے سے یہ از راہِ شگافِ خامہ — غم سما سکتا نہیں دل میں کہ دل ہے بس تنگ

حاشا للہ کہ اس باب میں ہوں میں خوشنود — پر کروں کیا کہ سر رشتہ نہیں ہے در چنگ[۵]

نغمۂ جنبشِ خامہ سے ہے یہ مستی مری

اُف مرا بندِ گراں، دیکھ سبکدستی مری

[۵] ہاتھ میں اپنے قبضے اور قابو میں نہیں

بند ہفتم

ہمدمان درد دلم از دیدہ نہانید ہمہ — غالب غمزدہ را روح و روانید ہمہ

للہ الحمد کہ در عیش و نشاطید ہمہ — للہ الشکر کہ با شوکت و شانید ہمہ

ہم در آئینِ نظر سحر طرازید ہمہ — ہم در اقلیمِ سخن شاہ نشانید ہمہ

چشمِ بد دور کہ فرخندہ لقائید ہمہ — شاد باشید کہ فرخ گہرانید ہمہ

سرو بینید و فا دیدہ و نوریدہ ہمہ — زندہ مانید، صفا قالب و جانید ہمہ

من بہ خون خفتہ و بینم، ہمہ بینید ہمہ — من جگر خستہ و دانم، ہمہ دانید ہمہ

درمیان ضابطۂ مہر و وفائے بودست — من برینم کہ ہر آئینہ بر آنید ہمہ

رونقے از مہر گنجینہ خلافِ چون است — بارے از لطف بگوئید، چسانید ہمہ

گر نباشم بہ جہان، غارِ دشتے کم گیرید — اے کہ سرو و سمنِ باغِ جہانید ہمہ

چارہ گر نتوان کرد، دعائے کافی ست — دل اگر نیست خداوندِ زبانید ہمہ

ہفت بند است کہ در بند ہم ساختہ ام — بنویسید و ببینید و بخوانید ہمہ

آن نباشم کہ بہ ہنر بزم ز من یاد آرید

دارم امید کہ در بزمِ سخن یاد آرید

بندِ ہفتم

ہمدمو! دل میں ہو آنکھوں سے نہاں گو تم سب
غالبِ غم زدہ کے روح و رواں ہو تم سب

للہ الحمد کہ ہو عیش و مسرت میں تم
للہ الشکر کہ با عزت و شاں ہو تم سب

پیشِ آئینِ نظر تم ہو سبھی سحر طراز
بہرِ اقلیمِ سخن شاہ نشاں ہو تم سب

چشمِ بد دور کہ فرخندہ لقا ہو تم لوگ
شاد باشید کہ فرخ گہراں ہو تم سب!

تم ہو سب نور، سدا سود و فا ہو قسمت
زندہ باشید، صفا قالبِ جاں ہو تم سب

خواں میں خفتہ میں دیکھوں یہیں ہو تم سب
میں جگر خستہ یہ جانوں ہمہ داں ہو تم سب

درمیاں تھا کبھی اک مہر و وفا کا رشتہ
میں ہوں اس پر کہ اسی کے نگراں ہو تم سب

مہرباں ہو کے نہ پوچھا کبھی "کیسا ہے فلاں"
لطف سے کہہ دو کہ کیسے ہو کہاں ہو تم سب

خار و خس کم ہو تُکے کہہ دینا جو میں مر جاؤں
اے کہ سرو و چمنِ باغِ جہاں ہو تم سب

ہو سکے گر نہ دوا تو ہے دعا ہی کافی
دل نہیں رکھتے خداوندِ زباں ہو تم سب

قید میں میں نے رقم سات کئے بند، ان کو
دیکھ لو۔ لکھ لو۔ پڑھو۔ پڑھتے رواں ہو تم سب

میں نہیں کہتا کہ ہر بزم میں ہو یاد مری
لیک جب بزمِ سخن ہو تو کرو یاد مری

مثنویات

سومین مثنوی موسوم بہ چراغ دیر

شبے پرسیدم از روشن بیانے — زگردشہائے گردوں رازدانے
کہ بینی نیکوئیہا از جہاں رفت — وفا و مہر و آزرم از میاں رفت
زایمانہا بجز نامی نماندہ — بغیر از دانہ و دامے نماندہ
پدرہا تشنۂ خون پسرہا — پسرہا دشمن جان پدرہا
برادر با برادر در ستیز ست — وفاق از شش جہت رو در گریز ست
بدیں بے پردگیہائے علامت — چرا پیدا نمی گردد قیامت
بتنگ صور تعویق از پے چیست — قیامت را عناں گیر جنوں کیست
سوئے کاشی باندازاشارت — تبسم کرد و گفتا ایں عمارت
کہ حقا نیست صانع را گوارا — کہ از ہم ریزد ایں رنگیں بنارا
بلند افتادہ تمکین بنارس — بود بر اوج او اندیشہ نارس
تعالی اللہ بنارس چشم بد دور — بہشت خرم و فردوس معمور
عبادت خانۂ ناقوسیانست — ہمانا کعبۂ ہندوستانست
سوادش پایۂ تخت بت پرستاں — سراپایش زیارتگاہ مستاں
خس و خارش گلستانست گوئی — غبارش جوہر جانست گوئی
بتانش را ہیولی شعلۂ طور — سراپا نور ایزد چشم بد دور
جانہائے بے تن کن تماشا — ندارد آب و خاک ایں جلوہ حاشا
نہاد شاں چوں بوئے گل گراں نیست — ہمہ جانند جسمے در میاں نیست
میانہا نازک و دلہا توانا — ز نادانی بکار خویش دانا!

بنارس کی تعریف میں

کاشی سے کاشاں تک

یہ اک شب میں نے اک دانا سے پوچھا — زمانہ بھر کا جو اسرار داں تھا
کہ دنیا سے ہوئی رخصت نکوئی — نہیں مہر و وفا دنیا میں کوئی
بُت ایماں کا فقط اک نام باقی — نہیں جز دانہ و جز دام باقی
پدر خون پسر کا اب ہے پیاسا — پسر بھی ہو گیا دشمن پدر کا
گلا بھائی کا کاٹے خود ہی بھائی — مسلط دہر پر ہے بے وفائی
ہے یاں بے پردگی کی ہر علامت — نہیں پھر کس لئے آئی قیامت
پئے نفخ صور میں تعویق کیوں ہے — عنانِ گیرِ قیامت کیا جنوں ہے
سوئے کاشی ہوئی اس کی اشارت — تبسم سے کہا، اُف یہ عمارت!
نہیں ہے حق کو یہ ہرگز گوارا — کہ ایسا جلوہ ہو برباد! حاشا
بلند اتنی ہے یہ تمکینِ بنارس — ہے اس کے اوج تک اندیشہ نارس
تعالی اللہ! بنارس! چشم بد دور — بہشت خرم و فردوس معمور
عبادت خانۂ ناقوسیاں ہے — یہ بے شک کعبۂ ہندوستاں ہے
بنارس یعنی تختِ بت پرستاں — سراپا ہے زیارت گاہِ مستاں
خس و خار اس کے ہیں گویا گلستاں — ہے گرد و خاک گویا جوہرِ جاں
بُتوں کا ہے ہیولیٰ شعلۂ طور — سراسر نورِ ایزد! چشم بد دور
یہاں جاں ہائے بے تن کر تماشا — نہیں یہ آب و گل کا جلوہ حاشا
وجود ان کا ہے بوئے گل سے ہلکا — یہ سر تا پا ہیں "جاں بن جسم" حقا
کہ نازک ہیں مگر دل ہیں توانا — یہ ناداں اپنے مطلب کے ہیں دانا

بر تن سرمایهٔ افزایش دل — سراپا مژدهٔ آسایش دل
خس و خارش گلستانیست گویی — غبارش جوهر جانیست گویی
ز بس عرض تمنا می کند گنگ — ز موج آغوشها وا می کند گنگ
به گنگش عکس تا پرتو فگن شد — بنارس خود بنظر خویشتن شد

فغان زبرا الا ای غالب کار اوفتاده — ز چشم یار و اغیار اوفتاده
ز خویش و آشنا بیگانه گشته — جنون گل کرده و دیوانه گشته
چه محشر سر زد از آب و گل تو — دریغا از تو و آه از دل تو
چه جوشد جلوه زین رنگین چمنها — بهشت خویش سوز از خون شدنها
جنونت گر به نفس خود تمام است — زکاشی تا به کاشان نیم گام است
چو بوی گل ز پیراهن برون کی — به آزادی ز بند تن برون آی
مده از کف طریق معرفت را — سرت گردم بگرد این ششجهت را
فرو ماندن بکاشی نارسائیست — خدا را این چه کافر ماجرائیست
ازین دعوی بآتش شوی لب را — بخوان غمنامهٔ ذوق طلب را
دریغا دو وطن وا ماندهٔ چند — بخون دیده زورق راندهٔ چند
هوس را پای در دامن شکسته — بامید تو چشم از خویش بسته
بشهر از بیکسی صحرا نشینان — ببوی آتش دل جاگزینان
همه در خاک و خون افگندهٔ تو — بحکم بیکسی ها بندهٔ تو
چو شمع از داغ دل آذر فشانان — ببزم عرض دعوی بی زبانان
سر و سرمایه غارت کردهٔ تو — ز تو نالان ولی در پردهٔ تو
از آنانت تغافل خوشنما نیست — بداغ شان هوای گل روا نیست
ترا ای بیخبر کاریست در پیش — بیابانی و کهساریست در پیش

ن ان کے باعثِ افزائشِ دل
یاں کے خار و خس بھی گل فشاں ہیں
ہے گنگا کو بھی یاں عرضِ تمنّا
نارس گنگ میں پرتو فگن ہے
الا اے غالبِ کار اوفتادہ

یا اپنوں سے اپنے آپ سے بھی
مشتِ تیرے آب و گل سے اٹھا
تجھے درکار کیا ہے اس چمن سے
یا جذبِ جنوں ہو پختہ تر گر
شمیمِ گل نکل آ پیرہن سے
دگر بگڑے طریقِ معرفت کو
نارس میں ہے رہنا نارسائی
وکر صاف آگ سے اب اپنے لب کو
تجھے پس ماندگاں گھر میں بلائیں
ہوس کے توڑ کر جو پاؤں بیٹھے
جو بیکس شہر میں صفر انشیں ہیں
جو خاک و خوں میں غلطاں ہیں تجھی سے
مثالِ شمع جو آذر فشاں ہیں
نہ بیٹھے جو تجھ پر اپنا سا مان
تغافل تیرا ان سے کب روا ہے
تجھے اے بے خبر ہیں کام درپیش

سراپا مژدۂ آسائشِ دل
یہاں کی خاک کے ذرّے بھی جاں ہیں
جو کرتا ہے وہ یوں آغوش کو وا
بنارس خود نظیرِ خویشتن ہے
ز چشمِ یار و اغیار اوفتادہ

ہوا مجنوں، لگی دیوانگی سی
صد افسوس! آہ بجھ پر! اف دریغا
طلب کر اپنی جنت اپنے من سے
تو کاشی سے ہے کاشاں اک قدم بھر
ذرا آزاد ہو اس بندِ تن سے
یقیں ہے، پھیر دے تو شش جہت کو
خدارا! کیا یہ کافر ماجرائی
تو پڑھ غم نامۂ ذوقِ طلب کو
وہ خونِ اشک میں کشتی چلائیں
تری امید میں مایوس ہو دے
وہ دل کی آگ میں بیکس ہکیں ہیں
ہیں محکم بیکسی میں تیرے بندے
جو عرضِ دعویٰ میں بس بے زباں ہیں
ترے پردے میں ہیں وہ تو دے نالاں
وہ جلتے ہیں پہ تو مستِ صبا ہے
ہیں کہسار و بیاباں تجھ کو درپیش

چو سیلابت شتابان بی‌توان رفت   بیابان در بیابان میتوان رفت

ترا از اندوه مجنون بود باید   خراب کوه و هامون بود باید

تن آسانی بتاراج بلا ده   چو لیلی رنج خود را رونق ده

هوس را بر سر بالین فنا نه   نفس را از دل آتش زیر پا نه

دل از تاب بلا بگداز و خون کن   ز دانش کار نکشاید جنون کن

نفس تا خود فرو نه نشیند از پای   دمی از جاده پیمائی میاسای

شرار آسا، فنا آماده برخیز   بیفشان دامن و آزاده برخیز

ز الا دم زن و تسلیم لا شو   بگو الله و برق ماسوا شو

دل از تاب بلا بگداز و خون کن   ز دانش کار نکشاید جنون کن

نفس تا خود فرو نشیند از پائے   دمے از جاده پیمائی میاسائے

بیان نموداری شان نبوّت و ولایت که در حقیقت پرتو نور الانوار حضرت الوهیت است

بعد حمد ایزد و نعت رسول   می نگارم نکتهٔ چند از اصول

تا سوادش بخشد اندر رسم و راه   دیده ور را سرمهٔ اعمی را نگاه

حق بود کامد از نورش پدید   آسمانها و زمین‌ها را کلید

نور محض و اصل هستی ذات اوست   هرچه جز حق بینی از آیات اوست

تا بخلوت گاه غیب الغیب بود   حسن را اندیشهٔ سر در جیب بود

صورت فکر اینکه باری چون کند   تا ز جیب غیب سر بیرون کند

جلوه کرد از خویش، هم بر خویشتن   داد خلوت را فروغ انجمن

تجھے سیلاب کی تیزی ہے درکار — بیاباں در بیاباں چل سبکسار
تجھے درکار ہے اندوہِ مجنوں — بلاتے ہیں تجھے تو کوہ و ہاموں
تن آسانی کو تو نذرِ بلا کر — جو پہنچے رنج تو صد مرحبا کر
ہوس کا سر کچل گرزِ فنا سے — نفس سے دل کو تابِ جاوداں دے
شرر ساں اُٹھ! فنا آباد ہو جا — تو دامن جھاڑ کر آزاد ہو جا

تو "لا" کہہ کے خود تسلیم "الا" بن
کہہ "اللہ" اور برقِ بانکموا بن

تو سوزِ غم میں دل پگھلا کے خوں کر — نہ ہوگی کارگر دانش - جنوں کر
نفس جب تک نہ پاؤں توڑ بیٹھے — نہ اک پل کے لئے تو ترکِ سفر سے

مثنوی

در شانِ نبوّت و ولایت!

حمدِ حق کے ساتھ ہو نعتِ رسولؐ — بعدہٗ کیجئے رقم شرحِ اصول
جس سے روشن ہو دلیلِ رسم و راہ — دیدہ ور کو سرمہ اندھے کو نگاہ
ہے خدا حق، حق ہے جس کی ہر نوید — وہ زمین و آسماں کی ہے کلید
نورِ محض اور اصلِ ہستی اسکی ذات — ماسوا بھی اُس کی آیات و صفات
تھا وہ یوں خلوت گزینِ غیب غیب — حُسن کی خواہش تھی واں اک سرِ عجیب
کشمکش اندیشہ کو تھی گونا گوں — کہ وہ جیبِ غیب سے آئے بروں
حق ہوا خود حق پہ ہی جلوہ فگن — پایا خلوت نے فروغِ انجمن

جلوهٔ اوّل که حق بر خویش کرد
مشعل از نورِ محمّدؐ پیش کرد

شد عیاں زاں نور در بزمِ ظهور
هر چه پنهاں بود از نزدیک و دور

همچو آں ذرات کاندر تابِ مهر
از نقابِ غیب بنمایند چهر

مهر بر ذرات پرتو افگنست
عالم از تابِ یک اختر روشنست

نورِ حق ست احمد و لمعانِ نور
از نبیؐ در اولیا دارد ظهور

هر ولی پرتو پذیر ست از نبیؐ
چون مه از خور مستنیر ست از نبی

جلوهٔ حسنِ ازل مستور نیست
لیک اعمیٰ را نصیب از نور نیست

از نبیؐ و از ولی خواہے مدد
تا نه پنداری که ناجائز بود

بر نیاید کار بی فرمانِ شاه
لیک آئینهاست با خاصانِ شاه

هر که او را نورِ حق نیرو فزاست
هر چه از وی خواستی هم از خداست

بر لبِ دریا گر آبے خورده
آب از موجی بجام آورده

آب از موج آید اندر جامِ تو
لیکن از دریا بود آشامِ تو

وقتِ حاجت هر که گوید یا علیؐ
با حقش کار ست : پوزش یا علیؐ

یا محمدؐ جانفزا ید گفتنش !
یا علیؐ مشکلکشا ید گفتنش

چون اعانت خواهی از یزدانِ پاک
یا معین الدینؒ اگر گوئی چه باک

ابلهاں را زانکه دانش نارساست
گفتگوها بر سرِ حرفِ نداست

مولوی معنوی عبد العزیز
واں رفیع الدین دانشمند نیز

شاه عبد القادرؒ دانش سگال
کاین دو تن را بود در گوهر همال

بردن نامِ نبیؐ و اولیاء
خود روا گفتند با حرفِ ندا

واں دگر فرزانه قدسی سرشت
رهنمائے مسلکِ پیرانِ چشت

آنکه شیخ وقت و خضرِ راه بود
نام والایش کلیم الله بود

جلوۂ اوّل جو یوں ظاہر ہوا
مشعلِ نورِ محمدؐ بن گیا !

یوں منور ہو گئی بزمِ ظہور
جس سے ظاہر ہو گئے نزدیک و دور

مثل ان ذرات کے جو ہو عیاں
جلوۂ خورشید ہی سے ناگہاں

مہر ذروں پہ ہے خود پرتو فگن
ایک اختر سے ہے روشن انجمن

نورِ حق ہے احمدؐ اور لمعانِ نور
جو نبی سے اولیا میں ہو ظہور

ہر ولی پاتا ہے نورِ مصطفٰےؐ
ماہ میں جلوہ ہو جیسے مہر کا

جلوۂ حسنِ ازل ہے کب نہاں
نور کو اندھا اگر دیکھے کہاں

نصرت ولی و نبی کرنا طلب
پوچھتے ہیں ہم کہ نا جائز ہے کب؟

کچھ نہیں ہوتا ہے بے حکمِ الٰہ
پر رکھیں دستور کچھ خاصانِ شاہ

جس میں ہو خود نورِ حق قوت فزا
داد اس کی ہوتی ہے دادِ خدا

گر لبِ دریا سے تو پانی پیے
جام گر تو اس کی موجوں سے بھرے

آبِ دریا جام میں جب آ چکا
اس سے پینا - پینا دریا سے ہوا

وقتِ حاجت گر کہیں ہم یا علیؓ
کام حق سے ہے وسیلہ ہے علیؓ

یا محمدؐ کا ہے نغمہ جانفزا
یا علیؓ کا زمزمہ مشکل کشا

چوں اعانت خواہی از یزدانِ پاک
یا معین الدین اگر گوئی چہ باک

ہے سمجھ ہی الجھنوں کی نارسا
جو کھٹکتا ہے انھیں حرفِ ندا

مولوئ معنوی عبد العزیزؒ
وہ رفیع الدینؒ دانشمند تیز

شاہ عبد القادر دانش سگال
نامور تینوں ہیں یہ صادق مقال

لینا خود نامِ نبیؐ و اولیاؒ
یہ روا رکھتے ہیں با حرفِ ندا

نیز وہ فرزانۂ قدسی سرشت
راہنمائے مسلکِ پیرانِ چشت

جو کہ شیخِ وقت و خضرِ راہ تھے
نام و معنی میں کلیم اللہؒ تھے !

؎ حضرت شیخ کلیم اللہ کا روضہ، جامع مسجد دہلی اور لال قلعے کے درمیان مرجع خلائق ہے
جہاں ہر سال عرس بھی منعقد ہوتا ہے۔

گفت استمداد از پیران رواست — هرچہ پیر راه گوید آں رواست
کی غلط گوید چنیں روشن ضمیر — خرده بر قول کلیم الله مگیر
همچنیں شیخ المشائخ فخر دیں — آفتاب عالم علم و یقیں
همبریں هنجار و آئیں بوده است — شیخ ما حق گوی و حق بیں بوده است
تا نہ پنداری ز پیراں خواستیم — حاجت خود را ز یزداں خواستیم
لیک در پوزش بدرگاه رفیع — ما همے آریم پیراں را شفیع
ایں چنیں پوزش روا نبود چرا — بحث با عارف خطا نبود چرا
در سخن در مولدِ پیغمبر است — بزمگاه دلکش و جاں پرور است
خود حدیث از سرورِ دیں میرود — میرود وانگہ بآئیں میرود
سعی ما مشکور و نقد ما روا — چیست آں کاں را شماری ناروا
هست موئے مبارک جانفزاست — بارگِ جانش همی پیوند هاست
بر تنِ نیکو تر از جان رستہ است — لاجرم از آب حیواں رستہ است
دلنشین ما بود زاں روی موی — ده کہ گرداند کسی زاں موی روی
هرکرا دل هست دامیان نیز هم — چوں نورزد عشق با نقشِ قدم
در رهِ دیں تا قدم بنهاده اند — عشق بازاں را نشانها داده اند
برد از خویشم دو صد فرسنگ تنگ — می برم زیں نقش پا بر سنگ رشک
نقش پائی کایں چنیں افتاده است — اہلِ دل را دلنشیں افتاده است
کی نشیند در دلِ آں بدگهر — کش دلی از سنگ باشد سخت تر
بوئے پیراهن ز مصر آرد صبا — دیدهٔ یعقوب زو یابد جلا
برد او پیراهن کز مصطفیٰ است — جاں نیفشاندن ز ما کے رواست

کہتے استمداد پیراں ہے روا | پیر راہ فرمائیں جو وہ ہے بجا
کب غلط فرمائیں یہ روشن ضمیر | خردہ بر قولِ کلیم اللہ مگیر
نیز وہ شیخ المشائخ فخرِ دیں | آفتابِ عالمِ علم و یقیں
وہ سبھی رکھتے تھے یہی آئینِ دیں | تھے وہ حق بیں اور حق گو بالیقیں
ہم نہیں پیروں سے حاجت مانگتے | ہیں خدا سے مانگتے اور جانتے
وقتِ حاجت ہم بدرگاہِ رفیع | جانتے ہیں اپنے پیروں کو شفیع
یہ وسیلہ کس طرح ہے ناروا | بحثِ عارف سے ہے سرتاپا خطا
ہے اگر میلاد سے رنجش تجھے | جو ہے دلکش اور جاں پرور مجھے
خود حدیثِ سرورِ دیں میں ہے ذکر | اس سے منکر ہونے کی کیجے نہ فکر
مسلک اپنا ٹھیک کوشش ہے بجا | کونسی شے کو تو سمجھے ناروا؟
نکہتِ موئے مبارک جاں فزا | ہے اسی جاں سے ہماری جاں بجا
جاں سے افضل تر تھا تن جس میں اُگا | لاجرم یہ آبِ حیواں میں پلا
اس لئے یہ دلنشیں ہے ہم کو موئے | حیف اس موئے سے جو موڑے اپنا رُوئے
قلب و ایماں جس کے دونوں ہوں بہم | کیوں نہ ہو وہ عاشقِ نقشِ قدم
جادۂ دیں میں قدم جو اٹھ چکے | اہلِ دل کو وہ دلیلِ رہ ہے
شُد از خویشم دو صد فرسنگ لنگ | مے برم زیں نقشِ پا بر سنگ رنگ
نقشِ پا جو اس طرح قائم ہوا | اہلِ دل کو دلنشیں دائم ہوا
دلنشیں اس کو نہ پائے بدگہر | جس کا دل ہو سنگ سے بھی سخت تر
بوئے پیراہن جو آئے مصر سے | دیدۂ یعقوب کو روشن کرے
پیرہن ہو یا ردائے مصطفےٰ | آنکھ کی کو کیوں نہ ہو دیدہ کشا
دیکھنے والے کو ہو کیوں ناروا | مرحبا کہتا یا کہتا حبذا!
جانِ اُمت کیوں نہ ہو اُس پر فدا | کیوں نہ اس کے دل میں ہو محشر بپا

سلہ [illegible] شفاعت بلا دلیل [illegible] حضرت نبی کریم [illegible] اولیائے کرام کی دعا اور [illegible] قرآن و سنت سے ثابت ہے [illegible]

در عرب بودست منعم زاده‌ای — قیس نامی دل به لیلی داده‌ای
بر سگی کز کوچهٔ لیلاستی — قیس از خویشش فزون تر خواستی
می توانی گفت آن ای تن پرست — پیر کنعان بود پیراهن پرست
یا توان گفتن که خود چون بوده است — سگ پرستی کیش مجنون بوده است
حاش للّٰه کاین چنین باشد نورد — رفت از حد سوی ظن کافر نکرد
عشق گر با پیرهن در بار رواست — نیست بهر جامه از بهر خداست
حق فرستادست بهر ما رسول — کرده‌ایم از بهر حق دینش قبول
گر ببوئی خواجه رو آریم ما — دوست از بهر حقش داریم ما
چون نگردد طالب دیدار دوست — شاد از نظارهٔ آثار دوست
ایکه بردی بهره از خوان نبی — برده‌ای از یاد احسان نبی
آمده آورده پیغام از خدا — تو حق الله مرحبا نام خدا
جادهٔ راهی نمایان کرد و رفت — راه رفتن بر تو آسان کرد و رفت
چون توکی از ناسپاسانیم ما — پیرو ایزد شناسانیم ما
حق پرستان جمله این ره رفته اند — زانکه با دلهای آگه رفته اند
اصل ایمان نیست طرز خاص ما — خالصاً للّٰه بود اخلاص ما
عرس وا بهر شمع و چراغ افروختن — عود در مجمر بر آتش سوختن
جمع گشتن در یکی ایوان همی — پنج آیت خواندن از قرآن همی
نان بنان خواهندگان دادن دگر — مرده را رحمت فرستادن دگر
گر بلی ترویج روح اولیاست — در حقیقت آنهم از بهر خداست
اولیا را گر گرامی داشتیم — نز پی رومی و شامی داشتیم
از برای آنکه این آزادگان — اندر ره حق جان بجانان دادگان
از شهود حق طرازی داشتند — با خدای خویش رازی داشتند

تھا عرب میں ایک مغنم زادہ قیس
لیلیٰ معروف کا دلدادہ قیس

کوچہ لیلیٰ کے سگ کو وہ سدا
ذات اپنی سے تھا افضل جانتا

کہہ سکے گا تو بھلا اے تن پرست
پیرِ کنعاں کو بھی پیراہن پرست

یا بھلا تو کہہ سکے گا یہ کبھی
سنگ پرستی دینِ مجنوں تھی بنی

حاشا للہ! بات اس حد تک بڑھے
سوئے ظن حد سے بڑھے کافر کرے

حُبِّ پیراہن ہو یا حُبِّ ردا
بہرِ جامہ کب ہو؟ ہے بہرِ خدا!

حق نے اُمّت کے لئے بھیجا رسولؐ
جس کو بہرِ حق کیا ہم نے قبول

سوئے خواجہ رخ اگر کرتے ہیں ہم
دوست اُن کو بہرِ حق رکھتے ہیں ہم

جو بھی ہو گا طالبِ دیدارِ دوست
شاد ہو گا دیکھ کر آثارِ دوست

جب ہے تو پروردۂ خوانِ نبیؐ
کیوں بھلائے یاد احسانِ نبیؐ؟

آئے وہ اور لائے پیغامِ خدا
حبّذا، صد مرحبا! صلِّ علیٰ

جادۂ دیں کو نمایاں کر گئے
راہ چلنا ہم پہ آساں کر گئے

مثل تیری کیوں بنیں ہم ناسپاس
ہم ہیں دل سے پیروِ ایزد شناس

حق پرستوں کی یہی سُنّت رہی
تھی دلوں کو اُن کے حاصل آگہی

اصلِ ایماں ہے یہ اپنا طرزِ خاص
خالصاً للہ ہے اخلاص، اخلاص

عرس اور شمع و چراغاں کا چلن
عود و عنبر اور گلہائے چمن

جمع ہونا ایک ہی ایوان میں
پڑھنا پنج سورہ جو ہے قرآن میں

نان دینا طالبِ نان کو وہاں
مانگنا رحمت برائے رفتگاں

ہو لئے ترویجِ روحِ اولیاء
درحقیقت ہے یہ سب بہرِ خدا

اولیاء کو گر گرامی ہم گنیں
اُن کو کب رومی و شامی ہم گنیں

بلکہ اس باعث کہ یہ آزادگاں
صدق دل سے جاں بجاناں دادگاں

تھے شہود حق سے رکھتے اک نیاز
اُن کا تھا اپنے خدا کے ساتھ راز

نورِ چشمِ آفرینش بوده اند | شمعِ روشن سازِ بینش بوده اند

حق پرستان را بباطل کار نیست | محوِ لیلیٰ را به محمل کار نیست

گر نه از لیلیٰ بود دیدار جوئے | کی به محمل آورد دیوانه روئے

گرچه با لیلیٰ ست حرف از جان زدن | لیک بر محمل لگد نتوان زدن

آں دلی در یادِ حق مستغرق ست | عینِ حق گر نیست خود محوِ حقست

حق بود پیدا نہاں دیگر چه ماند | چوں ولی رفت از میاں دیگر چه ماند

خیز تا حدِّ ادب داری نگاه | بے ادب را بُرد شیطنت راه

با دلی آویختن دیوانهٔ | یا بر آتش ریختن پروانهٔ

نیستی عارف که گویم خود مباش | بد مبین و بد مگوئی و بد مباش

بد شمردی رهروانِ ایلیش را | رهرو چالاک گفتے خویش را

گر سفر این نیست منزل گه کجاست | لا اِله گفتی الّا الله کجاست

ہست رسمِ خاص در ہر مرز و بوم | خود چه میخواہی ز نفی ایں رسوم

نفیِ رسمِ کفر ما ہم مے کنیم | داد با دانش فراہم مے کنیم

نفیِ کفر آئینِ اربابِ صفاست | نفیِ فیض اے تیره دل رسمِ کجاست

نفیِ رسم و ره ہوا را مے کشد | نفیِ فیض ست اینکه ما را مے کشد

اے گرفتارِ خم و پیچِ خیال | نفیِ بے اثبات نبود جز ضلال

ور تو گوئی مے کنم اثباتِ حق | از چه روئی منکرِ آیاتِ حق

دانم از انکارِ انکار آوری | پیچئے در زلفِ گفتار آوری

منکرِ اثبات گوئے نیستم | من حریفِ این دو روئی نیستم

اولیا خاصانِ شاہی نیستند | یعنے آیاتِ الٰہی نیستند

معجزاتِ انبیا آیاتِ کیست | وین صفتها را ظهور از ذاتِ کیست

نورِ چشمِ آفرینش تھے وہ سب — شمعِ روشن اساز بینش تھے وہ سب

حق پرستوں کو نہیں باطل سے کام — محوِ لیلیٰ کو نہیں محمل سے کام

جو نہ ہو لیلیٰ کا ہی دیدار جُو — کس طرح محمل کے ہو گا رُو برُو

گرچہ لیلیٰ کی طرف ہے رُوئے جاں — پر روا محمل کو ٹھکرانا کہاں

ہر وَلی کا یادِ حق ہی ہے سبق — گو نہیں ہے عینِ حق، ہے محوِ حق !

حق ہوا ظاہر تو پھر پنہاں ہے کیا — جیب ولی نکلا تو کیا باقی رہا

اُٹھ تو اور ملحوظ رکھ حدِ ادب ! — تیغ کے دم پر ہے راہِ بے ادب

مت اُلجھ ولیوں سے، مت دیوانہ بن — آگ میں گرنا ہے گر، پروانہ بن

صاحبِ عرفان کا سا رکھ چلن — بد نہ دیکھ اور بد نہ کہہ اور بد نہ بن

گر سفر یہ ہے تو منزل کعبہ کہاں — لا اِلٰہ کہتے ہو، اِلّا اللہ کہاں !

خاص مسلک رکھنا ہے ہر مرز و بوم — کیا رہے باقی، جو مٹ جائیں رسوم

نفیٔ رسمِ کفر تو ہم بھی کریں — داد اور دانش فراہم بھی کریں

کفر کی کرنا نفی ہے مستحب — نفیٔ فیض! اے تیرہ دل، ہے رسم کب

نفیٔ رسم و راہ مٹائے سرکشی — لیک نفیٔ فیض خود ہے، خودکشی

اے گرفتارِ رخم و پیچ خیال — نفیٔ بے اثبات ہے بالکل ضلال

تجھ کو ہے گو دعویٔ اثباتِ حق — ہے مگر تو منکرِ آیاتِ حق

گرچہ تجھ کو کفر سے انکار ہے — ہیر پھیر الفاظ کا بے کار ہے

منکرِ آیات کہتے ہو نہیں — ہے یہ دوروئی تمہاری بالیقیں

اولیا، خاصانِ شاہی گر نہیں — خود یہ آیاتِ الٰہی گر نہیں

کس کی ہیں آیات پھر یہ معجزات — جلوہ گر اوصاف ہیں یہ کس کی ذات

این وآن را هرزه انگاری همی / تا چه از حق در نظر داری همی
چون ترا انکار تا این غایتیست / آنچه پذرفتی کدامین آیتیست
من نه بد گفتم وگر گفتم مرنج / تو کرا بد گفتهٔ در دل بسنج
خواجهٔ دنیا و دین را منکرے؟ / زمرهٔ اہل یقین را منکرے؟
با دلِ رنجیدهٔ از کینه پاک / منکری را اگر بوم منکر چه باک
درد دل در نظم گفتن نیست بحث / منکه رندم شیوهٔ من نیست بحث
من سکر و حم گر انجان نیستم / صد نشان پیداست پنهان نیستم
دین که می گوئی توانا کردگار / چون محمد دیگرے آرد بکار
با خداوندی و گیتی آفرین / ممتنع نبود ظهوری این چنین
نغز گفتی نغز تر با بد شنفت / آنکه پنداری که ہست اندر نهفت
گرچه فخر دودهٔ آدم بود / هم بقدرِ خاتمیت کم بود
صورت آرائش عالم نگر / یک مه و یک مهر و یک خاتم نگر
اینکه می گویم جوابی بیش نیست / مهر و مه زان جلوه تابی بیش نیست
آنکه مهر و ماه و اختر آفرید / می تواند مهر دیگر آفرید
حق دو مهر از سوی خاور آورد / کور باد آن کو نه باور آورد
قدرتِ حق بیش ازین هم بوده است / هرچه اندیشی کم از کم بوده است
بیک در یک عالم از روی یقین / خود نمی گنجد دو ختم المرسلین
یک جهان تا هست یک خاتم بس است / قدرتِ حق را نه یک عالم بس است

تجھ کو جب آثار سے انکار ہے
حق کی کس شے کا تجھے اقرار ہے

جب ترا انکار اس حد تک بڑھا
مانتا پھر ہے نشاں تو کون

کیوں کہوں بد، گر کہوں مت ہو خفا
سوچ دل میں، تو نے کس کو بد کہا

سرورِ کونین کا منکر ہے تو
زمرۂ اہلِ یقیں کا تو عدو

دل ہے رنجیدہ مگر کینہ سے پاک
منکرِ منکر ہوں گر، کیا اس میں باک

ماجرا ہے درد کا، اک بحث ہے
رند ہوں، شیوہ مرا کب بحث ہے

میں سبک جاں ہوں گرانجاں تو نہیں
صد نشاں پیدا ہیں پنہاں تو نہیں

نظیرِ مصطفٰے محال ہے!

یہ جو کہتے ہو کہ خلاقِ جہاں
لا سکے مثلِ محمدؐ، بے گماں

گر خدا کونین پھر پیدا کرے
ممتنع ہوں گے نہ ایسے معجزے

نغز کہتے ہو تو سنئے نغز تر
تجھ سے ہے اصلِ حقیقت مستتر

گرچہ فخرِ دودۂ آدم ہوئے
لیک قدرِ خاتمیت کب سمجھے

صورتِ آرائشِ عالم بھی دیکھ
ایک مہ، اک مہر، اک خاتم بھی دیکھ

جو کہا میں نے نہیں چنداں جواب
مہر و مہ میں ہے کہاں وہ آب و تاب

خالقِ مہر و مہ و اختر جو ہے
مہرِ دیگر بھی بنا سکتا تو ہے

حق اگر مشرق سے دو سورج دکھائے
ہوگا نابینا وہ جو ایماں نہ لائے

قدرتِ حق ہے قوی تر اس سے بھی
فکر تیرا حدِ کم تک ہے ابھی

لیک اک عالم میں از روئے یقیں
کب سمائیں گے دو ختم المرسلیں

اک جہاں جب تک ہے اک خاتم ہے بس
قدرتِ حق کو نہ اک عالم ہے بس

خواهد از هر ذره آرد عالمے   هم بود هر عالمے تا خاتمے
هر کجا ہنگامۂ عالم بود   رحمةً للعالمینے هم بود
کثرت ابداعِ عالم خوب تر   یا بیک عالم دو خاتم خوب تر
در یکے عالم دو تا خاتم مجوی   صد ہزاراں عالم و خاتم بگوی
غالب این اندیشه نپذیرم همی   خورده هم بر خویش می گیرم همی
ایکه ختم المرسلینش خواندهٔ   دانم از روئے یقینش خواندهٔ
این الف لامی که استغراق راست   حکم ناطق معنی اطلاق راست
منشاءِ ایجادِ هر عالم یکیست   گر دو صد عالم بود خاتم یکیست
خود همی گوئی که نورش اول ست   از همه عالم ظهورش اول ست
اولیت را بود شانے تمام   کی بهر فردے پذیرد انقسام
جوهر کل بر نتابد تثنیه   در محمد ره نیابد تثنیه
تا نورزی اندر امکاں ریو و رنگ   حیز امکاں بود بر مثل تنگ
هم امکاں اندر احمد منزویست   چون ز امکاں بگذری ذاتی که چیست
صانعِ عالم چنین کرد اختیار   کش بعالم مثل نبود زینهار
این نه عجز ست اختیار ست اے فقیه   خواجه بے همتا بود لاریب فیه
هر کرا باشد به پیوند خدا   هیچ اوئی نقش کے بندد جدا
هم گهر مهر منیرش چون بود   سایه چون نبود نظیرش چون بود
منفرد اندر کمال ذاتیست   لاجرم مثلش محال ذاتیست

زین عقیدت برنگردم والسلام
نامه را در می نوردم والسلام

اسکے ہر ذرے سے عالم ہے بپا — ہر جہاں کے واسطے خاتم بنا

ہو بپا ہنگامۂ عالم جہاں — رحمۃ للعالمین بھی ہو وہاں

کثرتِ ابداعِ عالم خوب تر — یا دو خاتم کو اک عالم خوب تر

یک عالم میں نہ خاتم ڈھونڈھ دو — صد ہزار عالم میں اک خاتم ہو

پر نہیں غالب کو یہ رائے قبول — اپنا ناقد آپ ہے اے ذوالعقول

جس کو ختم المرسلیں تو کہہ چکا — ہم نے مانا دل ایسے ہی تو نے کہا

ہیں الف اور لام استغراق کے — حکم ناطق معنیٔ اطلاق کے

مقصدِ ایجادِ ہر عالم ہے ایک — گر دو صد عالم بھی ہوں خاتم ہے ایک

خود کہو نور ان کا ہی اول ہوا — سب سے پہلے حق نے جو پیدا کیا

اولیت کی عجب ہوتی ہے شان — کب ملے ہر فرد کو یہ آن بان

جوہرِ کل لائے کب تابِ دوئی — یہ محمد میں نہ ہو ممکن کبھی

بزمِ امکاں میں نہیں ہے ریو و رنگ — مثل پر ہے عالمِ امکان تنگ

میمِ امکان مخفی احمد میں ہوئی — چھوڑ کر امکاں رہے کیا دیکھ بھی

عالمِ عالم کا ہے یہ انتخاب — لاجرم ہے بے نظیر و لاجواب

عجز کب ہے، یہ رضا ہے اے فقیہ — خواجہ ہے بے مثل شن لاریب فیہ

جس کا سایہ بھی نہیں حق کو پسند — ثانی اس کا کب بنائے نقشبند ؟

ہم گہر اس کا نہیں سورج بھی یاں — جب نہیں سایہ نظیر اس کی کہاں ؟

وہ کمالِ ذات میں ہیں لامثال — مثل ان کی لاجرم ٹھہری محال

اس عقیدت سے پھروں کیوں والسلام
اس بیاں کو ختم کر دوں والسلام

تقریظ آئینِ اکبری مصححۂ سیّد احمد خاں

صدر الصدور مراد آباد

(مثنوی)

مژدہ یاراں راکہ ایں دیریں کتاب — یافت از اقبال سیّد فتح یاب

دیدہ بینا آمد و بازو قوے — کہنگی پوشید تشریف نوے

دینکہ در تصحیح آئیں رای اوست — ننگ و عار ہمت والای اوست

دل بشغلی بست و خود را شاد کرد — خود مبارک بندۂ آزاد کرد

گوہرش را آنکہ نتواند ستود — ہم بدیں کارش ہمی داند ستود

بر چنیں کاری کہ اصلش ایں بود — آں ستاید کش ریا آئیں بود

من کہ آئین ریا را دشمنم — در وفا اندازہ دان خود منم

گر بدیں کارش نگویم آفریں — جای آں دارد کہ جویم آفریں

با بد آئیناں نمانم در سخن — کس نداند انچہ دانم در سخن

کس مخر باشد بگیتی ایں متاع — خواجہ را چہ بود امید انتفاع

گفتہ باشد کایں گرامی دفتر است — تا چہ بیند کاں بدیدن درخواست

گر ز آئیں می رود با ما سخن — چشم بکشا اندریں دیر کہن

صاحبان انگلستاں را نگر — شیوہ و انداز ایشاں را نگر

تا چہ آئینہا پدید آوردہ اند — انچہ ہرگز کس ندید آوردہ اند

زیں ہنرمنداں ہنر بیشی گرفت — سعی بر پیشینیان پیشی گرفت

حق ایں قوم ست آئیں داشتن — کس نیارد ملک بہ زیں داشتن

تقریظِ آئینِ اکبری مصحّحہ سیّد احمد خاںؒ

صدر الصّدور مُراد آباد

(مثنوی)

وستوں کو مژدہ! دیرینہ کتاب — پا گئی سیّد کے ہاتھوں، فتحِ باب

پشم بینا اور قوی بازو سے کی — دُور اُس کی کہنگی، فرسودگی

زدِ سیّد گو تھی یہ تصحیح طلب — ننگ و عارِ ہمّتِ والا تھی جب

شغل یونہی ہاتھ میں اِک لے لیا — خود کو پھر سیّد نے فارغ کر دیا

بس نے مدحت کی نہ اس کے اصل کی — کیوں کرے تعریف وہ تصحیح کی

ام جس کی یہ حقیقت ہو بھلا — کیسے ہو تعریف اُس کی جز ریا

یں کہ آئینِ ریا کا ہوں عدو — اور وفا و عدل کی رکھتا ہوں خو

ہ کہوں اس کام پر گر آفریں — مستحقِ آفریں ہوں بالیقیں

یں بد آئینوں سے کیوں ہوں ہمکلام — میں ہوں لاثانی سخن میں لاکلام

ہے یہ بے گاہک جہاں بھر میں متاع — خواجہ نے کیا دیکھا اس میں انتفاع

ک گرامی دفتر اس کو کہیے گر — اِس میں کیا دیکھے گا آخر دیدہ ور

بحث گر آئین کی ہم سے کریں — اِس جہانِ کہنہ میں پھر دیکھ لیں

اہلِ انگلستان کے انداز کو — اور اُس کے ذہنِ آئین ساز کو

کیسے آئین اور قانون اُن کے ہاں — جلوہ گر ہیں، جن سے حیراں ہے جہاں

اِن ہنرمندوں پہ ہے نازاں ہنر — لے گئے سبقت یہ ہیں اسلاف پر

قوم ہے یہ مستحقِ آئین کی — ہے جہانداری میں اِن کو برتری

آتشی کز سنگ بیرون آورند — این هنرمندان ز خس چون آورند
تا چه افسون خوانده اند اینان بر آب — دود کشتی را همی راند در آب
گه دخان کشتی به جیحون می برد — گه دخان گردون بهامون می برد
غلتک گردون بگرداند دخان — نره گاو و اسپ را ماند دمان
از دخان زورق برفتار آمده — باد و موج این هر دو بیکار آمده
نغمه‌ها بے زخمه از ساز آورند — حرف چون طائر بپرواز آورند
هین نمی بینی که این دانا گروه — در دو دم آرند حرف از صد کروه
می زنند آتش بباد اندر همی — می درخشد باد چون اخگر همی
رو به لندن کاندران رخشنده باغ — شهر روشن گشته در شب بی چراغ
کار و بار مردم هشیار بین — در هر آئین صد نو آئین کار بین
پیش این آئین که دارد روزگار — گشته آئین دگر تقویم پار
هست اے فرزانهٔ بیدار مغز — در کتاب این گونه آئینهای نغز
چون چنین گنج گهر بیند کسے — خوشه زان خرمن چرا چیند کسے
طرز تحریرش اگر گوئی خوشست — نے فزون از هرچه بجوئی خوشست
هر خوشی را خوشتری هم بوده است — گر سری هست افسری هم بوده است
مبدء فیاض را مشمر بخیل — نور میریزد رطب بازان نخیل
مرده پروردن مبارک کار نیست — خود بگو کان نیز جز گفتار نیست
غالب آئین خموشی دلکشست — گرچه خوش گفتی نگفتن هم خوشست
در جهان سید پرستی دین تست — از ثنا بگذر دعا آئین تست
این سراپا فترهٔ و فرهنگ را — سید احمد خان عارف جنگ را
هرچه خواهد از خدا موجود باد — بیشکارش طالع مسعود را

لوگ آتش سنگ سے پیدا کریں | یہ خس ناچیز سے ہی کام لیں

کیا فسوں سازی کریں یہ آب پر | دود سے کشتی رواں ہے آب پر

بحر میں کشتی دھواں گاہے چلائے | دشت میں بھی گاہے گاڑی کھینچ لائے

ہے گھماتا پہیوں کو بس اک دھواں | جس طرح ہوں بیل اور گھوڑے رواں

ہے دھوئیں کے زور سے کشتی رواں | زور باد و آب کا ہے رائیگاں

نغمے بے مضراب نکلیں تار سے | حرف دوڑیں برق کی رفتار سے

دیکھئے تو کام دانا قوم کے | دے خبر پل بھر میں وہ سو کوس سے

یہ ہوا میں بھی لگا دیتے ہیں آگ | اور چمکتی ہے ہوا گویا ہے آگ

جائیے لندن دیکھ اک رشک باغ | شہر سارا شب کو روشن بے چراغ

کاروبارِ مردمِ ہشیار دیکھ | طرحِ نو، آئینِ نو کے کار دیکھ

تو دکھا فرزانۂ بیدار مغز | ہم کو لکھ کر ایسے آئین ہائے نغز

دیکھ اِک طرزِ جدیدِ روزگار | دھر اس کے سامنے تقویم پار

دیکھتا ہے جب کوئی ایسے گہر | تیرے خرمن پہ نہ ڈالے گا نظر

طرزِ تحریر اس کی کہئے گر ہے خوب | مانئے گر اس کی خوبی کا وجوب

دہر میں ہر خوب سے ہے خوب تر | ہے یہاں افسر بھی گر رکھے تو سر

مبداءِ فیاض کو مت کہہ بخیل | نور برسائے، رطب بازو، نخیل

کام ہے مردہ پرستی، نیک کب | ہے یہ خالی بات، بے معنی بے ڈھب

غالب! خوئے خموشی خوب ہے | حرفِ خوش سے بھی خموشی خوب ہے

ہے اسد امید پرستی دیں نزا | گر نہیں تعریف، دل سے دے دعا

اس سراپا فتنۂ فرہنگ کو | سید احمد خاں عارف جنگ کو

جو خدا سے چاہے وہ موجود ہو | رہنما خود طالع مسعود ہو

مثنوی ناتمام —— موسوم بہ ابرِ گہر بار

یا اسد الغالب

سپاسے کزو نامہ نامی شود — سخن در گزارش گرامی شود
سپاسے کہ آغاز گفتار ازوست — سخن چوں خط از رخ نمودار ازوست
سپاسے کہ تا لب ازو کام یافت — روانہا بداں رامش آرام یافت
سپاسے کہ فرزانہ دم شناس — بداں خویش را داد از دیو پاس
سپاسے کہ فرخ سروشان راز — براں زمزم آباد گویند باز
سپاسے کہ شوریدگان الست — دہندش ببانگ قلم دل ز دست
سپاسے بہوش در آمیختہ — ز دل جستہ و با دل آویختہ
سپاسے ز بسیاری جوشش دل — ز اندیشہ پوید ز غفلت گسل
سپاسِ دوئی سوز کثرت ربائی — سپاسِ دل افروز بینش فزای
خدا را سزد کز دروں پروری — بدیں شیوہ بخشد شناساوری
خدائی کہ ناں گونہ روزی دہد — کہ ہم روزی و ہم دو روزی دہد
بنامی کہ گم گشتہ بردن درو — ز پری نہ گنجد شمردن درو
کسے را کہ باشد بر انگشتری — زند گرد او حلقہ دیو و پری
متاعِ از لب کہ ارزاں دہد — مسیحا بداں مردہ را جاں دہد
رضا داد کاید ببردن ہمے — دہد تن بہ بند شمردن ہمے
نباشد اگر بخشش عام او — کہ از زہرہ بردنِ نامِ او
بفرخندگی ہر کہ نامش گرفت — ہما از ہوا راہ دامش گرفت

مثنوی موسوم بہ "ابرِ گوہربار"

حمد و توحید

سپاس اُس سے ہر نامِ نامی ہوا ۔۔۔ سخن التجا میں گرامی ہوا !

سپاس ! اس سے گفتار کی ابتدا ۔۔۔ کہ جیسے ہے خود رخ ہی سے خط اٹھا

سپاس ! اس سے جب لب ہوا کامیاب ۔۔۔ ہوئی جان نغمہ سے آرام یاب

سپاس ! اس سے فرزانۂ دم شناس ۔۔۔ رکھے جان و ایمان کا شیطان سے پاس

سپاس ! اس کے افرشتوں پہ راز دا ۔۔۔ کہیں زمزم آباد میں برملا

سپاس ! اُس کے شوریدگانِ الست ۔۔۔ صریرِ قلم پر ہیں دل ان کے مست

سپاس ! اُس کو عذرِ گناہ ہے قبول ۔۔۔ دلِ توبہ پر رحمتوں کا نزول

سپاس ! اُس کا جوشِ محبت سے ذکر ۔۔۔ ہے صد گونہ غفلت شکن بہرِ فکر

سپاس ! وہ دوئی سوز بکثرت نما ۔۔۔ دل افروز ہے اور بینش فزا

خدا پاک کے نامِ مبارک کی تعریف

خدا کو ہے زیبا درون پروری ۔۔۔ بشر کو جو بخشے شعورِ خودی

خدا اپنا ایسا ہے روزی رساں ۔۔۔ جو دے رزق اور صحتِ جسم و جاں

جو اس نام کے ذکر میں کھو گیا ۔۔۔ وہ محبوبِ حور و پری ہو گیا

جو یہ نقشِ انگشتری پہ ہو نام ۔۔۔ تو خدام ہوں دیو و پریاں تمام

یہ نامِ مبارک اثر ایسا دے ۔۔۔ مسیحا بنے ، مُردے زندہ کرے

دعا کا طلب گار ہو کر جو آئے ۔۔۔ وہ مقصود اُس نام لینے میں پائے

جو بخشش نہ ہوتی کبھی اس کی عام ۔۔۔ کسے پڑتی ہمت کہ لے اُس کا نام

مسرت سے اُس کا جو لیتا ہے نام ۔۔۔ ہما دام میں اُس کے ہوتا ہے رام

بود نام پاکش زلیس دلنشین | تراشند پاکانش اندل نگین
بدل هر که سوزنده داغش نهاد | پری رُخ بپیشِ چراغش نهاد
بود سوزِ داغش زلیس دل پسند | سویدا اسپند برجمالش سپند
رضاجوی هر دل که در پیش هست | هواخواهِ هر رخ که گردیش هست
نرنجد ز ابجو خوانندگان | نیاید ستوه از نیاهسندگان
خردِ بینِ هستی فردستندگان | دهد مژدو بیهوده کوشندگان!
رباید دل اما ز دل دادگان | کشد ناز لیکن ز افتادگان
زبادی که بر دل وزد در نهفت | زبان را به پیدا در آرد بگفت
نگه را که بیرون نباشد ز چشم | دهد بال پیدائی مهر و خشم
دل و دست باهم وگر دوخته | درین کیسه کردار اندوخته
بدان دو چشمند باهم آمیخته | ازین پرده گفتار انگیخته
نه زین سو گهرها شمردن توان | نه راه اندرین پرده بردن توان
نگاهی بگردنده کاخِ بلند | کش اندازه چون است آثار چند
ز رخشانی گوهرش لاژورد ! | دهد گونه گون رنگش از هر نورد
بهر یک نمودش دو صد رنگ در | بهر یک نمودش صد آهنگ در
اگر جلوه روشن ور آواز خوش | خمِ رنگ خوش پرده ساز خوش
ببینیدش کاین چرخ پرپیل کراست | چنین پرده ساز رنگین کراست
نگاهی ببازی گرِ روزگار ! | ز بازی گرانش یکی نوبهار
که چون سیمیا در نمود آورد ! | اثرها ز بالا فرود آورد !
کشاید هوا پرنیانی بنفش | شود شوخ گل کاویانی درفش
شود باغ صحرائے محشر ز سرد | پر و نامه هر شوخ و بال تذرو !

بہت نامِ پاک اس کا ہے دلنشیں
جو دل میں رکھے اس کا سوزندہ داغ
یہ ہے سوزِ داغ اس کا بس دلپسند
یہ اس کا رضا جو، جو اس کا بنے
نہ ہو کثرتِ طالباں سے خفا
خریدے وہ ہستی فروشوں کی جنس
وہ دل دینے والے کا دل لوٹ لے
وہ دل توڑ لے آئیں جو دلدادگان
دلوں میں جو چپ چاپ کے آئے خیال
نہ گو آنکھ سے نکلے باہر نظر
دل دوست کو وہ ملائے اگر
وہ کرتا ہے جب جان و دانش کو حل
کہ اس طرف سے گنے جائیں کب
نظر کو جو لوٹائے کاخِ بلند
یہ رخشانئ لاجوردی کا حال
نمود اس کی اک ایک میں رنگ صد
جو جلوہ ہے روشن تو آواز خوش
یہ چرخ اور پردے ہیں کس کے بتا
کہاں سے ہوا جلوہ گر روزگار
ہم افلاک کو کس طرح شق کریں
کہ وہ اک تلاش گہر میں لگا

خدا والے دل سے تراشیں نگیں
پری رخ رکھائے گی پیش چراغ
سویدائے دل اس شمع پر سپند
یہ اس کا ہوا خواہ جو خادم رہے
پناہ مانگنے والے پائیں رضا
صلہ پائے بیہودہ کوشوں کی جنس
اٹھاتا ہے ناز اس کے جو گر پڑے
اٹھاتا ہے وہ نازِ افتادگاں
وہی لائے اپنی زبانوں پہ قال
کرے مہر اور قہر کو جلوہ گر
تو کردار آدم کا ہو جلوہ گر
تو گفتار پردے سے آئے نکل
حجاب اس طرف سے نہیں اٹھتا جب
نظر کیا بتائے کہ ہے چون و چند
کہ ہے گوناگوں رنگ اور قیل و قال
نوا اس کی ہے ایک، آہنگ صد!
خمِ رنگ خوش پردۂ ساز خوش
وہ اک پردۂ ساز رنگیں ہے کیا
یہ ٹوٹا کہاں سے طلسم بہار
نہ اس کے احاطے کا دم بھر سکیں
زمیں کو شب و روز ہے کھودتا

یکی را دم تیشه بر کان نخورد   یکی را بنایاب گوهر نبرد!
بدانش ترا دیده ور کرده اند   چراغی درین بزم بر کرده اند
هنر دگر ز جهان نیست پیشش خبر   نباشد ز خوان خویشش خبر
ز بند جزین بیهیچ بیننده   که مارا بود آفریننده
که اندازهٔ آفرینش بدست   دم دانش و داد و بینش بدست
جهان داد ز دو دانش آموزگار   ز خور روشنائی ده روزگار
گشایندهٔ گوهر آگین پرند   ز پروین به پهنای آن نقشبند
نگارندهٔ پیکر آب و گل   شمارندهٔ گوهر جان و دل
بگردش در آرندهٔ نه سپهر   بگردون بر آرندهٔ ماه و مهر
روان را بدانست سرمایه ساز   زبان را بگفتار پیرایه ساز
بشاهی نشانندهٔ خسروان   ز رهزن رهاننده رهروان
بدانش به اندیش فرزانگان   بمستی نگهدار دیوانگان!
شناساگر راز دانان براست   توانا کن ناتوانان بخواست
جگر را ز خونابه آشام ده   نفس را به بیتابی آرام ده
بهر دم ز آواز پیوند بخش   بهر پیکر از دل جگر بند بخش
هم از سیر خوشی شور در می فگن   هم از ناله جان در تن نی فگن
روان را بدانش گهر زای دار   جهان را بدستور بر پای دار
شناسندگان را بخود رهنمای   هراسندگان را غم از دل ربای

نہیں کان پر تیشہ اس کا پڑا — نہیں اس کو نایاب گوہر ملا

تجھے دیدہ ور عقل سے کر دیا — چراغ اک اندھیرے میں ہے رکھ دیا

خرد جس کو دنیا کی ہے سب خبر — وہ خود اپنی ابجد سے ہے بے خبر

پکار اٹھتا ہے جو بھی ہے ہوشیار — کہ اپنا بھی ہے کوئی پروردگار!

ہے اندازۂ آفرینش جسے — ہم دانش اور دام بینش جسے

جہاندار اور دانشِ آموزگار — منور کرے مہر سے روزگار!

بنائے مثالِ گہر وہ پرند[۱] — وہ ہے انجمِ چرخ کا نقشبند

وہ دے پیکرِ آب و گل کو نکھار — کرے گوہرِ جان و دل کا شمار

وہ گردش میں لے آتا ہے نو سپہر — فلک پر وہ رخشاں کرے ماہ و مہر

وہ دانش سے ہے جان کا سرمایہ ساز — زباں کو کرے نطق سے سرفراز

وہ تختِ شہی بادشاہوں کو دے — وہ اُن رہزن سے رہرو کو دے

مددگار دانش سے فرزانوں کا — نگہدار مستی سے دیوانوں کا!

کرے راز دانوں کو حق آشنا — قوی ناتواں ہوں بفیضِ دعا رسا

جگر کو وہ خونابے کا جام دے — نفس بے قراری سے آرام لے

مددگار ہمدم کا آواز ہے — جگربند[۲] ہر تن کو دل دے کے دے

خوشی لے میں ہے اس کے ہی نوجوان — وہ نے میں ہے نالے سے خود جاں فگن

گلستان زار دانش سے جان کو کرے — جہاں کو بقا بخشے آئینے سے!

وہ ہے عارفوں کے لئے خود دلیل — وہ ہے خائفوں کے دلوں کا خلیل

شناسا ہیں جو ان کا ہے راہنما — ہراساں ہیں جو ان کا ہے غم ربا

وہ اہلِ نظر کا ہے خود راہنما — وہ ہے اہلِ تقویٰ کا بھی غم ربا

---

۱ ریشمی کپڑا۔ ۲ حوصلہ دینا بذریعہ اعضائے رئیسہ

نفسها بود ای او ناله خیز / جگرها بر صدای او ریز ریز
رگ ابر را اشکباری از دست / دم برق را بیقراری از دست
زبانهائے خاموشش گویای او / نهان هائے اندیشه پیدای او

خرد را که جوید شناسائیش / نگه خیره در برق پیدائیش
دوئی بے کفن مرده در راهش / خودی داد گر شحنه در گهش
زهے هستی محض و عین وجود! / که نازد بیکتائیش هست و بود!
ز تنها به کز قلزمے سر دهد! / بهر تشنه آشام دیگر دهد
بیک باده بخشد ز پیمانه / بهر ذره رقص جداگانه
جهانی ز طوفان بخشم تاب ده / هنوزش همان چین بگرداب در
گروهی ز مستی بلغزش درون / هنوزش همان می به مینا درون
اسیرش ز بندی که بر پای اوست / سکالد که بر تخت چین جای اوست
کرچل خواهشش رغبت انگیز تر / مغنی کند زخمه را تیز تر
سرشتش نیانش ز مے غازه جوی / بیابانیانش ز خور تازه روی!
گرانمایگان غرق کوثر ازو / خسان خستهٔ موج ساغر اند
مناجاتیان پیش وی در نماز / خراباتیان را بدو عیش باز
اگر کافران زنهاریش / دگر مومنان در پرستاریش
هو الحق سرایان او غیب جوے / انا الحق نوایان او تیغ گوی!
رهش را ز جانها غباری بلند / فنش را ز خال عروسان سپند

دل تنها خوشے ناز پرورده اوست / کرم نیز دل را ره آورده اوست

نفس اس کے سامے ہیں نالہ خیز جگر اس کے صحرا میں ہیں ریز ریز

اسی سے رگ ابر ہے اشک بار دم برق بھی اس سے ہے بے قرار

ہیں خاموش لب بھی حکایت کناں عیاں اس پہ ہے اپنا فکر نہاں

ہے خاموش لب پر اسی کا بیاں عیاں اس پہ ہے اپنا فکر نہاں

خرد کو شناسائی کی ہے طلب نظر خیرہ ہو برق ظاہر ہو جب

دوئی بے کفن مردہ اک راہ میں خودی منفعل اور شرمندہ درگاہ میں

زہے ہستیٔ محض و عین وجود گواہ اس کی یکتائی پہ ہست و بود

جو شاخیں کہ قلزم سے آئیں برون وہ ہر تشنہ کو لطف دیں گوناگوں

وہ اک جام سے دیتا ہے بادہ جو دے رقص جداگانہ ہر ذرّے کو

ہیں طوفاں میں غرق آسمان و زمیں پہ گرداب ہے پھر بھی چیں بر جبیں

جہاں اس کی مستی سے غوغا کناں ابھی مے ہے سب بند مینا میں واں

اسیر اس کے زنجیر پا پر فدا سمجھتے ہیں اورنگ جم اپنی جا

جو چاہے کہ رغبت ہو انگیز تر مغنی کرے زخمہ کو تیز تر

شبستانی مے سے ہوئے تازہ رُو بیابانی خورشید سے تازہ رُو

ادھر غرق کوثر گراں مائیگاں ادھر مست ساغر ہوئے خستگاں

مناجاتیوں نے ادا کی نماز خراباتیوں نے رکھی چشم باز

ہیں کافر بھی زناری اس کے ہوئے پرستار موہن ہیں جس کے ہوئے

"ہوالحق" کہیں ہو کہ ہیں غیب جو "انا الحق" بھی کہتے ہیں کچھ تلخ گو

سر راہ اس کے ہیں جا بجا غبار جلیں غم میں یاں خال رخسائے باد

خوشی تنہا اس کی ہے پردہ کب؟ عطا ہے یہ غم بھی اسی نے ہی جب

اگر شادکامی شکر می خورد
وگر نامرادی جگر می خورد

نه آنرا نشاطی به پیوند اوست
که اینم بهشتی نشان مند اوست

همه لب که جوئی نوائی ازوست
همه سر که بینی هوائے ازدست

اگر دیو سارلیست بی هوش و رنگ
که هموار ره پیکر تراشد ز سنگ

به بت سجده زان رو روا داشته
که بت را خداوند پنداشته

دگر چند جمشید نیز پرست
بگردد می از جام اندیشه مست

بمهرش ازآن را جنیده مهر
گزین روزنش دوست بنوده چهر

زنادی و ردو نان اهرمنے
گروهی بود کز خرد دشمنی

زبس داد نا آشنائی دهند
باتش نشان خدائی دهند

به تن ها به آذر گرایش کنان
بدلها خدا را نیایش کنان

گروهی سراسیمه در دشت گوی
خداوند جوی و خداوند گوی

زدسی که خود را برآن بسته اند
به یزدان پرستی میان بسته اند

زمهری که بیچواست در دل بود
پرستند حق گر بباطل بود

نظرگاه جمع پریشان یکیست
پرستنده انبوه و یزدان یکیست

کدامی کشش کان ازان سوے نیست
بد و نیک را جز بری روی نیست

جو ہے بامرادوں کو شیر و شکر — تو ہے نامرادوں کو خونِ جگر

اسی سے ہے پیوندِ شادی انہیں — کیا جس کے غم نے بہشتی انہیں

سمائی ہے ہر سر میں اس کی ہوا — اسی کی ہے حمد لب پہ جاری نوا

کرے بت پرستی جو بے ہوش و ہنگ — تراشے حسیں تو جو بت ہائے سنگ

صنم کو وہ کرتا ہے سجدہ اگر — تو کرتا ہے سجدہ خدا! جان کر

جو ہے خیرہ چشمی سے سورج پرست — ہوئی قدرے سے مجوس کی مست

ہوا مہر طلعت یوں یک بیک نور بار — کہ روزن سے نکلا مگر ڈرنے یار (سورج[۱])

جھکاتا ہے سورج کی جانب وہ رخ — کہ شاہد خدا نے دکھایا ہو رخ

ہے آتش پرستوں کی اصلیت — جو کرتے ہیں خود ہی خند و دشتی

وہ دیتے ہیں ناآشنائی کی داد — ہے آتش نشانِ خدائی کی یاد

جھکائیں وہ تن پیشِ آتش اگر — جھکیں دل سے پیشِ خدا وہ مگر

گروہ ایک دشت و جبل میں پھرے — خدا ہی کو ڈھونڈے خدا کی لئے

وہ پیرو ہیں اک رسم کے خاص گر — رہیں حق پرستی پہ بستہ کمر

محبت جو بے قصد ہے دل نشین — کرے حق کی پوجا یہ اہل ہمیں

نظر آئے باطل میں بھی حق چھپا — جھلک پائی جس جا وہیں سر جھکا

جہاں میں نظر آئے حق ہر کہیں — مگر ساتھ باطل بھی ہے ہم نشیں

خدا کی پرستش میں ٹھوکر وہ کھائیں — رہیں اندھے بہرے مگر سر جھکائیں

پرستش خدا کی ہے ہر حال میں — ہو گو بندہ باطل کے ہی جال میں

پریشاں ہیں سب مدعا ایک ہے — پرستار لاکھوں خدا ایک ہے

نہیں ہے کشش کوئی اس کے سوا — بد و نیک ڈھونڈیں نہ اس کے سوا

ف۱ مترجم کے نزدیک غالب کا یہ خیال جاذب نظر اور قابل غور ہے مگر قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ ان الدین عند اللہ الاسلام خدا کو صرف اسلام کا دین ہی منظور ہے۔ یہی اصل توحید ہے باقی سارے راستے جو صراطِ مستقیم سے ادھر ادھر ہٹتے ہیں یکسر غلط ہیں لہٰذا بت پرستی کے جواز میں جتنی دلیلیں بھی لائی جائیں گی وہ ناقابل قبول ہوں گی۔

جہاں چیست آئینۂ آگہی — فضای نظرگاہِ وجہ اللّٰہی
ز ہر سو کہ رو آوری سوی اوست — خود آں رو کہ آوردۂ روی اوست

ز ہر ذرّہ کارے بہ تنہائیش — نشاں بازیابی ز یکتائیش
چوں ایں جملہ را گفتہ عالم اوست — بہ گفت آنچہ ہرگز نباید ہم اوست

چوں ایں جا رسیدم بہ بالا سروش — بہ من بانگ بر زد کہ غالب خموش
بپاشیدہ در لرزہ بندم ز بند — تپاں ہمچو بر روی آتش سپند
چوں از وی پذیرہ اے راز آمدم — مناجات را پردہ ساز آمدم

بسازِ نیایش کشیدم زخمہ ریز
بداں تا بد فغاں کنم زخمہ تیز

جہاں کیا ہے آئینۂ آگہی
اسی کی طرف ہے جدھر رخ بھی ہے
اسی کی طرف ہے جدھر رخ کرو
ہر اک ذرۂ تنہائی میں اس کی نقش
ہیں جملہ جہاں فیضِ کن سے عیاں
جو کہتے ہو خالق جہاں ہنر کا ہے
میں پہنچا یہاں تک تو بولا سروش
گرفتارِ مردا ہوا بند بند
میں جب راز سے آشنا کچھ ہوا

فضا دیکھنے کو ہے وجہۂ الٰہی [ط]
ہے رُخ بھی اسی کا طرف جس کی ہے
طرف کیا یہ رُخ بھی اسی کا کہو
نشاں اس کی یکتائی کا ندق برق
ہے کہنے سے باہر وہ خود بیگماں
سمایا نہ کہنے میں جو آپ ہے
نہ جنبش وہ اب لب کو غالب خموش
تپاں آگ میں تھا میں مثلِ سپند
مناجات کا نغمہ گانے لگا

جو سازِ ستائش کو چھیڑا ذرا
وہاں سے یہاں تک ہوا نغمہ زا

ط۔ چہرۂ الٰہی

مناجات

خدایا زبانی که بخشیده‌ای؛ به نیروی جانی که بخشیده‌ای

دمادم بجنبش گر آید همی؛ ز راز تو حرفی سر آید همی

ندانم که پیوند حرف از کجاست؛ درین پرده لحن شگرف از کجاست

گر از دل شناسم جز این بیش نیست؛ که آن نیز یک قطره بیش نیست

خرد را سگالم که نیرو دهد؛ خود او راز من حیرتی رو دهد

نه آخر سخن را کشاکش ز تست؛ به نابود چندین نمایش ز تست

چو پیدا تو باشی نهان هم توئی؛ اگر پرده باشد آنهم توئی

بهر پرده دمساز کس جز تو نیست؛ شناسندهٔ راز کس جز تو نیست

چه باشد چنین پرده ها ساختن؛ شگافی بهر پرده انداختن

چنین روی روشن نقاب از چه رو؛ چو کس جز تو نبود حجاب از چه رو

همانا از آنجا که توقیع ذات؛ بود فرد فهرست حسن صفات

تقاضای فرمانروائی درست؛ ظهور شیون خدائی درست

ز فرمان وهی خاست فرمانبری؛ شناساوری شد شناساگری

ترا با خود اندر پرند خیال؛ بود نقطهٔ از صفات کمال

کز آن نقطه خیزد سیاه و سپید؛ وز آن پرده بالا هراس و امید

بدان تازه گردد مشام از شمیم؛ بدان بشگفد گل بباغ از نسیم

از آنجا اگر دستیابی برد؛ وز آنجا نفس نغمه زائی برد

مناجات

خدایا جو تو نے یہ دی ہے زباں
یہ اُس سے جو تو نے دیا زورِ جاں

دمادم جو جنبش میں آتی ہے یہ
ترے راز کے نغمے گاتی ہے یہ

نہ جانے کہاں سے ہے پیوندِ حرف
کہاں سے ہے پردے میں لحنِ شگرف

اگر دل سے مجبور بنے بات کیا
کرے یہ بھی تو اک قطرہ ہے خون کا

خرد کو جو سمجھیں کہ دے آب و تاب
مگر وہ ہے خود ایک حیرت کا باب

کشاکشِ سخن کی تجلی سے تو ہے
نمائش عدم کی تجلی سے تو ہے

جو پیدا ہے تو، پھر نہاں بھی ہے تو
ہے پردہ کوئی گر تو ہے وہ بھی تو

ہے دمساز پردے کا جز تیرے کون؟
شناسندۂ راز جز تیرے کون

یہ پردے لگانے سے کیا فائدہ؟
شگافوں سے جن کو سجانا پڑا

غرض روئے روشن چھپانے سے کیا؟
جو کوئی نہیں ہے یہاں دوسرا!

بلاشک بجا ہے وہ توقیعِ ذات
وہ ہے فردِ فہرستِ حسنِ صفات

تقاضائے فرمانروائی ہے وہ
ظہورِ شئونِ خدائی ہے وہ

ہے فرمانِ وہی سے ہی دفترِ دلبری
شناسا وہی ہے شناساگری

تری خلوتوں میں پرندِ خیال
ہے اک نقطہ سا خود صفاتِ کمال

اسی نقطے سے ہے سیاہ و سپید
اسی سے ہی ابھرے ہراس و امید

اسی سے ہیں تازہ مشام و شمیم
اسی سے کھلے پھول مہکی نسیم

اسی سے نظر بن گئی تابناک
اُسی سے نفس نغمۂ دردناک

اسی سے ملی آنکھ کو روشنی
نفس کو بھی نغمہ سرائی ملی

از آں جنبش آید بشوخی بدن
اگر موج رنگست ور موج خون

اگر سود گوهر بدامن برد
زیاں گر خود اخگر بخرمن برد

ز آلایش کفر و پروانهٔ دین
زداغ گمان و فروغ یقین

بهرگونه پردازشش هست و بود
جمال و جلال تو گیرد نمود

بگردون ز مهر و باختر ز تاب
بدریا ز موج و بگوهر ز آب

بالسان ز نطق و بمرغ از خروش
بنادان ز وهم و بدانا ز هوش

بچشم از نگاه و بآهو ز رم
بچنگ از نوائے بمطرب ز دم

بباغ از بهار و بشاه از نگین
بگیسو ز پیچ و به ابرو ز چین

عیار وجود آشکارا کنی
نشانهاے جود آشکارا کنی

جمال تو ذوق تو اندر وی تو
جلال تو تاب تو از خوی تو

جمال ترا ذره از آفتاب
جلال ترا یوسف اندر نقاب

چه باشد چنین عالم آرائیے
بما نا خیالے و تنهائیے

توئی آنکه چون پا گذاری براه
نیابی بجز خویشتن جلوه گاه

چو رو در تماشای خویش آوری
هم از خویش آئینه پیش آوری

ز چندان کنی جلوه بر خویشتن
که کس جز تو گنجد درین انجمن

بفرمان خواهش که آن شان تست
هم از خویش بر خویش فرمان تست

کنی ساز هنگامه اندر ضمیر
چو نم در یم و رشته اندر حریر

ظهور صفات تو جز در تو نیست
نشانهای ذات تو جز در تو نیست

ز خواهش بجوری چشم دوئے
بآرائش دهر کاهنم توئی

کشائی ز نور وهنر رنگ رنگ
کشی پرده بر روی هم تنگ تنگ

ز هر پرده پیدا نوا سازئے
بهر جلوه پنهان نظر بازئے

وہیں سے یہ نکلی ہے جنبش بروں — یہ ہر موجِ رنگ اور ہر موجِ خوں

جو گوہر سے دامن بھرا سعد کا — زباں کے بھی خدمن کو اگر ملا

یہ آلائشِ کفر! تزئینِ دیں — چہ اذنابِ گاں اور فرزندِ یقیں

بہرحال جو کچھ بھی پیدا ہوا — نشاں ہے جمالی! جلالی ترا

یہ گردوں پہ مہر اور اختر کی تاب — یہ دریا کی موج اور گوہر کی آب

بشر کا سخن، مرغ کا یہ خروش — یہ ناداں کا جہل اور دانا کا ہوش

نظر چشم کی اور آہو کا رم — نوا چنگ کی اور مطرب کا دم

گلستاں میں گل اور شہ کا نگیں — یہ گیسو کا خم اور ابرو کا چیں

کریں آشکارا ترا ہی وجود — ہیں تیرے ہی سائے نشانہائے جود

ترے رخ سے تیرا یہ ذوقِ جمال — ہے تیری ہی خو سے یہ تاب اور جلال

ترے حسن کا فدّہ ہے آفتاب — تری شان یوسفؑ میں زیرِ نقاب

ہوئیں کس لیے بزم آرائیاں — وہی ہے خیال اور تنہائیاں

تو جب گامزن ہو کسی راہ پر — نہیں پاتا جز خویشتن جلوہ گر

تو جب آپ کرتا ہے اپنا جمال — تو آئینہ بنتا ہے خود ہی کمال

ترا جلوہ ہوتا ہے بر خویشتن[۱] — ترے بن نہ ہو کوئی در انجمن

وہی لفظ "کن" جو تری شان ہے — تری ذات سے تیرا فرمان ہے

کرے پیدا ہنگامہ تیرا ضمیر — جوں "نم آب میں": ریشہ ہند حریر

ہے تجھ میں ہی تیرا ظہورِ صفات — ہیں خود ذات میں ہی نشانہائے ذات

دوئی چشمِ نابینا کا ہی ہے نام — ہے آرائشِ دہر بس تیرا کام

ہنر جلوہ گر ہیں ترے رنگ رنگ — مگر رخ پہ پردہ ترے تنگ تنگ

ہیں پردوں سے پیدا نوا سازیاں — ہیں جلووں میں پنہاں نظر بازیاں

۱؎ اپنے آپ پر

پدید آوری برگ و سازی فراخ — چو نخلی با بزهیٔ برگ و شاخ
دریں گوناگون آرزو خواستن — بود چوں بیایست آراستن
زهر پرده رنگے که گیرو گشاد — چناں دلکش افتد که بی آل سماد
قلم در کف و تاج بر سر رسد — بهر جا رسد هرچه از در رسد
بزرجمهر دانائی و برترے — بچار آخشیج آدمی پیکرے
به یزدانیاں فرهٔ ایزدے — بیونانیاں بهرهٔ بخردے
بکشورکشایاں دم گیر و دار — به مسکین گدایان غم پود و تار
بناهیدیاں بادهٔ بے غمے — به کیوانیاں گوزمر ماتمے
بستان نشید و بعشاق آه — بآهن کلید و به زر نام شاه
به برجیس نقش و پرکار سیر — بطامات لعن و بطاعات خیر
به ابرازپیٔ خاک آبِ حیات — بخاک از نم ابر جوشش نبات
بمی در فروغی که چوں بر دمد — زمینائے مےخواره نشتر دهد
به نی دلنوازی که چوں برکشند — بآوازِ آن ناله ساغر کشند
بساقی خرامے که از دلبرے — ز شاهد برو دل بساقی گری
بشاهد ادائے که از سر خوشے — بساقی دهد دادوے بیشے
به آزاده دستے که ساغر زند — به افتاده سنگے که بر سر زند
همه آئینه ما را که تو دانیم — ز دیوانگی با خرد دشمنیم
ز آلود گیها گرانے بود — همه سختی و سخت جانے بود

تو پیدا کرے ساز و ساماں فراخ — شجر کی طرح برگ و بار اور شاخ

انہی گوناگوں آرزوؤں کے ساتھ — ہیں پوشیدہ آرائشوں کے بھی ہاتھ

جو ان پر دول سے رنگ پائیں نمود — وہ خود دل کو بھائیں وہ پائیں خلود

قلم ہاتھ میں تاج سر پر سجے — یہاں سے جو نکلے وہ ہر جب سبیلے

فلک کو ہے بالائی اور برتری — ہے اربعہ عناصر سے آدم گری

ہے یزدانیوں[1] کا شکوہ ایزدی[2] — تو یونانیوں کا نشان خردی[3]

ہے گر فاتحین کو دم گیر و دار — مساکین کو بھی ہے غم پود و تار

ہے ناامیدیوں کو شرابِ خوشی — ہے کیوانیوں کے لئے اک غمی

ہے مستوں کا راگ اور عاشق کی آہ — کلید اور سکّے پہ ہے نام شاہ

ہے خاک میں نقش اور پرکار سیر — بدی کو ہے لعنت اطاعت کو خیر

زمیں کے لئے ابر آبِ حیات — جو ہے خاک میں نم ہے جوشِ نبات

فلک اٹھے جس دم کرے جوش سے — تو مے خوار کا چہرہ شعلہ بنے

نواکش جو مے کو کبھی منہ لگائیں — تو آوازِ نالہ سے ساغر چڑھائیں

جو رفتارِ ساقی میں ہو دلبری — تو شاہد کا دل لوٹے ساقی گری

صنم کی ادا بھی برادِ خوشی — ہے ساقی کو اک داروئے بہشتی

زہے دست ساغر جو آزادہ ہو — زہے سنگ سر پر جو افتادہ ہو

مقدر میں اپنے تھی تر دامنی — جنوں دوستی اور خرد دشمنی

ہم آوردگی سے ہوئے ہم گراں — ہوئے سختیاں جھیل کر سخت جاں

---

۱ ربانی: اللہ والے — ۲ خدائی۔ رحمانی

۳ خردمندی: عقل و دانش

زهر شیوه ناسازگاری رسد / ز هر گوشه صد گونه خواری رسد

بنازم از آنچه در خوردِ باده ایم! / ولیکن بدان گوشه افتاده ایم

ز چون سوی ما ساقی آرد بسیچ / نیابیم جز گردش از جام هیچ

بکفر آنچنان کرده کوشش ز خویش / نه باشیم تاری ز زنار بیش!

ز لب جز بنا گفتنی کار نه / ز خود جز به نفرین سزاوار نه

نه سودای عشق و نه راهِ صواب / نه در سینه آتش نه در دیده آب

نه دستور دان هم نه خسرو شناس / نه از شحنه و شرع و نه دل هراس

نیاسوده از ما به گیتی کسی / کسی جز دو تا تیغ نگارِ همین

گناه آنقدر ها برون از شمار / که رنجد ز بسیارِ سروشِ یسار

چو از پردهٔ پرسش وجود بگذرند / روانهای ما را بدوزخ برند

همه آتشینه از ما بتر دامنی / فرو میرد آتش بدان روشنی

همان تا چو آن گرد خیزد ز راه / بسوزند ما را بشرم گناه

ولی با چنین آتشی خانه سوز / تر و خشک و آباد و ویرانه سوز

نه این بلکه سوزان بداغِ تو ایم / ز پروانگانِ چراغِ تو ایم

بهر گونه کالا روائی زشت / بما بهرهٔ ناروائی زشت

ز ابری که بارد بگلزار بر / بروید گیاهی بدیوار بر

بدان تا بود بندگی ناتوان / ز سرسبزی باغ بخشد نشان

اگر خواند ناروائیم ما / بباغ تو برگِ گیاهیم ما

بخویش از ظهورِ جلالت خوشیم / فروزینه ایزدی آتشیم

ترابِ جگر خستگی را نمی است / که گلهای باغ ترا شبنمی است

بنده ناشناسانِ که آمد بگشت / دمد جادهٔ دیگر از ندی دشت

بہر حال ناسازگاری ہوئی
بہر گوشہ مدہ گو نہ خواری ہوئی

رہیں بزم میں تا کہ پائیں شراب
مگر کونے میں ہم ہیں خستہ خراب

ہماری طرف جب کبھی ساقی آئیں
تو جز گردشِ جام ہم کچھ نہ پائیں

بہت کفر میں ہم نے کی جانکنی
تو جاں تارِ زنار سے کم بنی!

نہیں لب پہ جز حرفِ ناگفتنی
ہمیں ذات اپنی سے نفرین ملی

نہ سودائے الفت نہ راہِ صواب
نہ سینے میں آتش نہ آنکھوں میں آب

نہ دستوردان ہم نہ خسرو شناس
نہ ہے محتسب سے ہمیں کچھ ہراس

نہ چھپتا کوئی ہم سے ہرگز کہیں
بجز اک وقت لغزشِ نگارِ ہمیں

گناہ اس قدر بے عدد ہوگئے
مرے بائیں کاتب سبھی تھک گئے

ہوا ختم آخر حساب و کتاب
جہنم میں ڈالے گئے ہم شتاب

مگر کام آئی یہ تر دامنی
نمی سے جہنم کی آتش بجھی

اڑا دی گئی آخرش گردِ راہ
بلائے گئے ہم بشرمِ گناہ

وہ رکھتے ہیں ہم آتشِ خانہ سوز
تو وہ خشک و آباد و ویرانہ سوز

سدا ہم کو سوزاں رکھے تیرا داغ
ہیں ہم تیرے پروانے اور تو چراغ

تو شمع کشتہ ہے جہان کا ملے
ہمیں بہرہ ناکامیوں کا ملے

ہو شاداب گلزار جب ابر سے
تو برادر پہ ایک کوئی بجے

تر یہ نا برد مصیبت ناتواں
ہے سبزی باغ کا اک نشان

جو ہم خوار اور ناروا ہوگئے
تو گویا سیاہ باغ کے ہم ہوئے

بنے ہم نشانِ ظہورِ جلال
ہیں سوزاں تری آگ میں بے ملال

تر آب جگر خستگی میں ہیں نم
ترے باغ کو گویا شبنم ہیں ہم

جو ناواقفِ راہ آگے بڑھے
چمک اٹھے جنگل میں رستے نئے

۱؎ دائیں ہاتھ کا فرشتہ جو نیکی لکھنے پر مامور ہے اس کو ہم نے لکھنے کی زحمت ہی نہیں دی

زده ناشناسان کز رُو بگشت — دهد جادهٔ دیگر از روئے دشت
فزاید بغوغاے یوسف دو بہر — ترنج و کفِ خود درده گیران شہر
اگر کاسهٔ قیسِ مسکیں شکست — صدائے ز لیلیٰ بدان کاسه ہست

حکایت

شنیدم که شاہی درین دیرِ تنگ — ز پہلو برون راند لشکر بجنگ
گزیں شہسواراں عناں بر عناں — میاں نیزه داراں سناں بر سناں
به پیچش ز چرمی عناں ہای سخت — زحل را بدلو اندروں پاره رخت
بجنبش ز رخشاں سنانہای تیز تر — بُدی ہوا خُرد خود ریز ریز !
دلیرانه با لشکر نا جوے ! — باقلیم بیگانه آورد روے !
زبس چست خود را به پیکار برد — بدشمن شبیخوں بایوار برد !
بداں دم که در رہروی برگرفت — ز بدخواه اورنگِ داور گرفت
زکالائی تاراج دامن فشاند ! — به لشکر زر و مالِ دشمن فشاند
از آن گنج کز لعل و گوہر شمرد — سرِ خصم پا مزدِ خود بر شمرد :
ہنوز از غباری که برجسته بود — بسا ذره بر خاک ننشسته بود
که در جنبش از چرخ آرام یافت — ز دادار پیروز گر کام یافت !
نیارَش ز فرخندگی ناز گشت — سوی کشورِ خویشتن باز گشت
خود آہسته رو بود و در ره ز پیش — فرستاد فرمان بدستورِ خویش
که فرمان دہد تا بہر گونه شہر — به بندند آیینِ شادی بشہر
نمطہا به آراستن نو کنند ! — پرستاریِ بختِ خسرو کنند !
بدین دلگشا مژده کز شه رسید — بہارے طرب را سحرگه رسید

٭ ہر سطح - ہر طبقے کی آبادی - یعنی سارے لوگ

جو ناواقفِ راہ آگے بڑھے | چمک اٹھے جنگل میں رستے نئے
بڑھاتا ہے غوغائے یوسف کمال | انار ایک بیمار تشنہ کا سوال
اگر قیسِ مسکین کا لٹا ہے جام | بلند اس میں پھر بھی ہے لیلیٰ کا نام

حکایت

سنا میں نے ایک شاہِ دنیائے ننگ | گیا لے کے لشکر کہیں بہرِ جنگ
عجب شہسواراں عناں بر عناں | غضب نیزہ داراں سناں بر سناں
عناں تاب جب وہ ہوئی فوج سخت | زحل کا جگر ہو گیا لخت لخت
وہ جنبش میں رخشاں سناں لئے تیز | چمکتے ہوئے تیر بھی نکلے تیز
دلیرانہ شاہ نکلا لشکر کے ساتھ | پڑا [illegible] فلک پر اس کا ہاتھ
جو پھرتی سے جنگ آزما وہ ہوا | تو دشمن پہ شمشیر کا سایہ پڑا
اسی راہبری سے کیا کام کاج | لیا اس نے دشمن سے تخت اور تاج
جو مالِ غنیمت سے دامن بھرا | زر و سیم دشمن کا ہاتھ آ گیا
گئے گنج کے لعل و گوہر گئے | سرِ خصم قبضے میں تھا شاہ کے
فلک پر جو گرد و غبار اٹھ گیا | ابھی تک زمیں پر وہ بیٹھا نہ تھا
کہ آرام کرنے کو ٹھہرے تمام | ظفر یاب لشکر ہوا شادکام
نیازِ مسرت میں ناز آ گیا! | وطن کی طرف شاہ روانہ ہوا
خود آہستہ رو تھا مگر پیش پیش | یہ فرمان بھیجا بدستورِ خویش
کہ سب شہر میں جشن ہو فتح کا | مسرت میں شامل ہو چھوٹا بڑا
[illegible] اور گھر اپنے سجائیں | پرستاریٔ بختِ شاہ کر دکھائیں
یہ دلکش جو مژدہ سنایا گیا | بہارِ طرب کا سماں بندھ گیا

به دزدی که با سیمت از شهر راه   بایران خرامد خداوند گاه

هم از شام مشعل برافروختند   ایشان بجوشش نفس سوختند

بمهتاب گشتند سیمای خاک   فشاندند پروین به دیبای خاک

ببازارها سو بسو صف بصف   به پیرایه بندی گشودند کف

ز هر در پر از نقش برانگیختند   بهر گوشه چینی در آویختند

بدان گونه آیینه را ساختند   که بینندگان چشم و دل باختند

سحرگاه چون داد بار آفتاب   ز هر گوشه سر زد هزار آفتاب

زمین داد زرگری بجوشیده مغز   برمل داد از کان گهرهای نغز

به آرایش جادهٔ راهگذار   صدف ریخت از بحر گوهر بر کنار

ز گونی ز تاب گهرها بروز   که نگسسته پیرایهٔ شب هنوز

چو هر کس باندازهٔ دسترس   بشادی زد از خودنمائی نفس

گروهی ز بیچاره زندانیان   حل بر غم ز کیسه سامانیان

به آیین به بستند از خویشتن   سیه پردهٔ بر رخ انجمن

که هر تار زان پرده زنجیر بود   نوا ناله گرم و گز زیر بود

بر خوله کاندر نوا داشتند   بهان درد دل بهوا داشتند

بر اعضای تن جابجا بند سخت   بهر بند لختی ز تن لخت لخت

نفس گرم شغل جدا نالی ز آه   ز گرمی خس و خار سوزان براه

چو گیتی کشا مرکب خسروی   قدم سنج اندازهٔ رهروی

بشهر اندر آمد از راه روی   رسیدند گوهرکشان پی بپی

بدان جاده گوهر فرو ریختند   بمغز زمین رنگ و بو ریختند

در آیین که در شهر بربسته بود   دو صد نقش بر یکدگر بسته بود

خراماں خراماں سرِ شاہراہ
شہنشاہ جاتے تھے تا تخت گاہ!

سرِ شام بزمِ چراغاں ہوئی
کسی نے بھی کوشش میں کی نہ کمی

گیا دھو یا مہتاب سے روئے خاک
چمک اٹھی تاروں سے دیبائے خاک

بچھے بازار میں سو بہ سو صف بہ صف
قرینے سے پھیلائے سب اپنے کف

مزین تھے پردوں پہ نقشِ حسیں
تھے آویزاں ہر گھر پہ نورنگِ چیں!

جو سورج ہوا منعدم نور تاب
تو ہر سمت چمکے ہزار آفتاب!

زمیں میں جو گرمی سے آیا ابال
دیئے کان سے اس نے گوہر نکال

سجائے گئے ہر راہ اور راہگزار
سمندر نے اگلے دُرِ شاہوار

درخشاں تھے موتی وہاں وقتِ روز
کہ دن میں بھی نقشہ تھا شب کا ہنوز

جہاں تک کسی کا وہاں بس چلا
فدا خود نمائی پہ وہ ہو گیا

گروہ قیدیوں کا بحالِ تباہ
وہاں اہلِ ثروت کے برعکس تھا

وہ اپنے طریقے پہ آئے وہاں
سیاہ پردہ محفل پہ ڈالے میاں

تھی ہر تار پردے کی زنجیرِ داں
بہت شیون و نالۂ آہ و فغاں

وہ جب بانسری میں لگاتے صدا
زبس دردِ دل کی ہی آتی نوا

وہ اجسام پہ جا بجا بند سخت
وہ ہر بند سے اُن کا تن لخت لخت

وہ آہل کو شغلِ چراغاں براہ
خس و خار گرمی سے سوزاں براہ

وہ گیتی کشا نازشِ خسروے
سمجھتا تھا اندازۂ راہروے

ہوا داخلِ شہر بعدِ سفر!
وہاں دوڑ کر پہنچے اہلِ گہر

یہ گوہر فشانی کا واں حال تھا
کہ مغزِ زمیں رنگ و بو میں بسا

تھا تزئین و آرائشوں کا سماں
وہ صد نقش بر یکدگر تھے وہاں!

بدان تا رود خطوهٔ چند پیش | بجنبید هر نقش بر جای خویش

جگر گون نگاهانِ خونین نوا | گرفتند چون داغ بر سینه جا

ز اشکِ فرو خورده مشتی گهر | فلک را فشاندند بر رهگذر!

ز خونِ گشته پنهان به سیمای خویش | کشیدند خوانهای یاقوت پیش

شهِ دیده ور را دل از جای رفت | بخاموشیش بر زبان های رفت

خموشی بدلجوئی آواز شد! | ترنم بگفتار دمساز شد

لب از جوشش دل چنین نوش ریخت | نوید رهائی بسر جوش ریخت

دِه دودهٔ و گنجد انباز پی ! | گدایان روان کاروانها ز پی

عزیزی که یارائی گفتار داشت | بهر پرده اندازهٔ بار داشت

ز بیداد ذوق شناسا دری | فغان برکشید اندران داوری

که الماس و در زر نشانندگان | سنجیده گوهر فشانندگان

بیابند و داغ بپای روند | جگر تشنهٔ مرحبای روند!

تهی کیسگان تا دمی برکشند | بگردول زر و لعل و گوهر کشند

بحرفی کز دلب گهر خیز شد | جهانبان چنین پاسخ انگیز شد

که اینان جگر خستگانِ منند | به آهن فرو بستگانِ منند

بجز موی و ناخن که بینی دراز | زبان کوته از دعوی برگ و ساز

لباس از گلیم و زره از آهن است | گر آهن ز من ور گلیم از من است

نیاورده اند آنچه آورده اند | ز من برده اند آنچه آورده اند

به آئین در آئینهٔ انجمن | مرا کرده اند آشکارا به من

از آن رو که در تب و تاب منند | همان ذرهٔ آفتاب منند

تو نیز ایکه هر چیز و هر کس ز تست | بهار و خزان و گل و خس ز تست

جو آگے بڑھیں اک قدم دو قدم
جگر گوں نگاہ، ان کی خونیں نوا
وہ اشک ان کے گویا کہ مشتِ گہر
ہوس ہائے خوں گشتہ کی یاد سے
انہیں دیکھ دل شاہ کا ہل گیا
خوشی میں دلجوئی کا رنگ تھا
زباں دردِ دل کی بنی ترجمان
ادھر تھے خزانے زر و لعل کے
عزیز اک کو یارائے گفتار تھا
شناسائی کی چوٹ دل پہ لگی
کہا بس وہ زر بانٹنے والے آئیں
وہ آئیں نچھاور کریں مال و زر
تہی دست لوگوں کی نکلی فغاں
گہر خیز لب شاہ کے بھی ہلے
کہ یہ ہیں جگر خستگاں سب مرے
فقط موتیے دانا خی ہیں ان کے منہ
لباس ان کا گدڑی ہے زر جھکڑی
نہیں لائے جو کچھ تو یہ ننگے ہیں
یہ محفل میں جو ان کا آنا ہوا
جلاتی ہے ان کو مری آب و تاب
تو نیز اے خدا! مالکِ این و آں

مہ ہر نقش رقصاں دہاں دمبدم
جگر چیر کر دل میں کرتی تھی جا
نچھاور جو کرنے تھے واں راہ پہ
وہ خواں ہائے یاقوت تھے بھیجتے
زباں پر معاً ہائے! اُف! حیف تھا
تکلم میں گفتار کا ڈھنگ تھا
رہائی کا فرماں ہو بخشش مداں
ادھر تھے گداؤں کے بھی قافلے
کہ تھا وقت کے ہاں کا آشنا
نداں اس کے لب پہ معاً آ گئی
جو ان گنت گوہر اٹھا دینا چاہیں
کہیں مرحبا سارے تفقہ جگر
تھا گر دل پہ لعل و گہر کا سماں
دل اس کا طالب ہوا درد سے
ہیں زنجیر آہن میں جکڑے تشنہ
زباں پہ نہیں دعویٰ برگ و ساز
ہے گدڑی مری، ہتھکڑی بھی مری
جو میں نے دیا تھا وہی لائے ہیں
مجھے مجھ پہ ہی آشکارا کیا
یہ ہیں میرے بھی ذرۂ آفتاب
ترے ہیں گل ہستی بہار و خزاں

روزی که مردم شوند انجمن / شود تازه پیوندِ جانها به تن!

روان را به نیکی ز آزندگان / به سرمایهٔ خویش نازندگان!

گهرهای شهوار پیش آورند / فروهیده کردار پیش آورند

ز نوری که ریزند و خندمن کنند / جهان را بخود چشم روشن کنند

به هنگامه با این جگر تشنگان! / در آیند مشتی جگر تشنگان

ز حسرت به دل برده دندان فسند / ز خجلت سر اندر گریبان فرد

در آن حلقه من باشم و سینهٔ / ز غمهای ایام گنجینهٔ!

در آب و در آتش بسر برده / ز دشواری زیستن مردهٔ!

تن از سایهٔ خود به بیم اندرون / دل از غم به پهلو دو نیم اندرون!

ز نا سازی و ناتوانی بجسم / دم اندر کشاکش ز پیوندِ دم!

دلش تیرگی‌های روزِ سیاه / نگه خورده آسیبِ دودش از نگاه

به بخشایش بر ناکسی‌های من / تهیدست و درمانده ام ولی من

به دوشِ ترازو منه بارِ من! / نسنجیده بگذار کردارِ من!

بجز دارسنج میفزای رنج / گرانبارِ دردِ عمرم مسنج!

که من با خود از هر چه سنجد خیال / ندارم بغیر از نشانِ جلال

اگر دیگران را بود گفت و کرد / مرا مایهٔ عمر رنجست و درد

چه پرسی چو آن رنج و درد از تو بود / غمی تازه هر دم فزون دار از تو بود

فرو هل که حسرت خمیر منست / دم سردِ من زمهریر منست

مبادا به گیتی چو من هیچ کس / چو ... دل و ز مهریری نفس

به پرسش مرا در هم افشرده گیر / پر کاه را صرصرے برده گیر

قیامت کو جب ہو بپا انجمن — ملیں پھر سے روحوں کو اپنے بدن
جب آئیں وہاں نیک اور پارسا — جنہیں تقویٰ پہ ناز و تکیہ ہوا
گہر نیکیوں کے وہ جب ساتھ لائیں — نکوکاریاں اپنی آ کر جتائیں
جو نورانی جلووں کے خرمن لگائیں — جہاں کو وہ گوہر نور کا کر دکھائیں
جب اس وقت ان نازداروں کے ساتھ — گروہ دل جلوں کا بھی آ جائے ساتھ
وہ دندانِ حسرت سے دل کاٹتے — ندامت سے سر کو جھکاتے ہوئے
تو اس حلقے میں میں بھی ہوں نگاہاں — غم دھر سے سینہ گنجینہ سال
میں ڈوبا کبھی اور کبھی جل گیا — میں جینے کی سختی سے ہی مر مٹا

بدن اپنے سائے سے سہما ہوا — وہ ٹکڑے ہے دل غم سے کاٹا ہوا
بنے یاس زہ اور ناتوانی بہم — مرا دم کشاکش میں ہے دمبدم
تہ یہ تیرگی ہائے روزِ سیاہ — جو کرتی ہے نابینا بینا نگاہ!
مری ناکسی کو تو خود بخشش دے — تہیدست و درماندہ ہوں دیکھ لے
ترازو میں میرا نہ تو بوجھ ڈال — عمل "ان تُلا" رہنے دے لے تعال!
عمل تولنے کی نہ زحمت اٹھا — میرا تول بارِ الم عمر کا!
میں وہ ذرا ہوں جس قدر بھی خیال — نہیں مجھ میں کچھ جز نشانِ جلال
جو خیر دل کا سرمایہ ہے گفت و کد — مرا مایۂ عمر ہے رنج و درد
تجھی نے دیا مجھ کو یہ رنج و درد — غم تازہ مجھ کو ملا ھمدم نورد
مجھے چہرۂ حسرت ہے میرا ضمیر — دم سرد میرا مجھے زمہریر
نہ مجھ سا جہاں بھر میں ہو ہیچ کس — جہنم سا دل، زمہریری نفس
میں معدوم ہوں تو سمجھ لے یہی — ہر اک صد صد زلے گی

پس آنگه به دوزخ فرستاده دان | در آتش خس از باد افتاده دان
ز دودی که برخیزد از سوزِ من | شود بیش تاریکیِ روزِ من
در آن تیرگی نبود آبِ حیات | که هر دم خضر[۴] را نویسی برات
ز دود و شراری که من در دهم | نه گردون فرازم نه اختر دهم
فتد بر تنم چون از آن شعله داغ | نسوزد بخاکِ شهیدان چراغ
اگر نالم از غم ز غوغائے من | نه پیچد بفردوس آوائے من
که زاهد به مینو نشین زان عدا | بر افشاندنِ دست و کوبند پا
دگر همچنین ست فرجامِ کار | که می باید از کرده راندن شمار
مرا نیز یارائے گفتار ده | چو گویم بر آن گفته زنهار ده
درین خستگی پرسش از من مجوی | بود بنده خسته گستاخ گوی
دل از غصه خون ست گفتن چه سود | چو تا گفته دانی نه گفتن چه سود
زبان گرچه من دارم از تست | به تست ارچه گفتارم از تست
همانا تو دانی که کافر نیم! | پرستارِ خورشید و آذر نیم!
نکشتم کسی را [illegible] | نبردم ز کس مایه در ره زنی
مگر می که آتش بگورم از دست | بهنگامه پروازِ بودم از دست
من اندوهگین و می اندوه ربائے | چه میکردم اے بنده پرور خدائے
حسابِ می و رامش و رنگ و بوے | ز جمشید و بهرام و پرویز جوے
که از باده تا چهره افروختند | دل دشمن و چشمِ بد سوختند
نه از من که از تابِ می گاه گاه | به دریوزه رخ کرده باشم سیاه
نه بستان سرائی نه میخانهٔ! | نه دستان سرائی نه جانانهٔ
نه رقصِ پری پیکران بر بساط | نه غوغائے رامشگران در رباط

سمجھ لے کہ دوزخ میں ڈالا گیا
جسے آگ میں پھینک آئی ہوا
مرے سر سے اٹھتا ہے جو اک دھواں
بڑھاتا ہے قسمت کی تاریکیاں
نہیں میری ظلمت میں آبِ حیات
کہ جس پر تو لکھ دے خضر کی برات

اگر غم سے رو دوں تو غوغا مرا
صلائے کہ عشرت دوس میں کب بھلا؟
جو زاہد بہشتی سنیں یہ صدا
تو رقصاں ہوں خود ان کے بھی دست و پا
ولیکن اگر ہے یہ فرجامِ کار
کہ ہو کر رہے ہر عمل کا شمار
تو مجھ کو بھی یارائے گفتار دے
کہوں جو کچھ اس پر بھی زنہار دے
معانی کی مجھ سے نہ کر جستجو
کہ آزردہ ہوتا ہے گستاخ گو
ہوا میرا دل غصے سے غرقِ خون
سبھی بن بلا جانے! کہوں خود نہ کیوں
زباں رکھتا ہوں جو تری داد ہے
تجھی سے ہے جو مری فریاد ہے
تو خود جانتا ہے میں کافر نہیں
پرستارِ خورشید و آذر نہیں
کیا قتل اندر کی نہ اہرمنی
نہ لوٹا کسی کو نہ کی رہزنی
ہے مے آگ لیکن مری گور کی
ہے پرواز آخر یہی مور کی
میں اندوہگیں تھا اسے اندہ ربا
میں کیا کہتا اے بندہ پرور: خدا
جو پوچھے مزے مے کے اور عیش کے
تو جمشید و بہرام و پرویز سے
نہ مجھ سے کہ مجبورگا اندگاہ ماہ
کیا مانگ کر اپنا چہرہ سیاہ
نہ بستاں سرا ہے نہ میخانہ ہے
نہ دستاں سرا اور نہ جانانہ ہے
نہ رقص پری پیکراں فرش پر
نہ غوغائے نغمہ گراں فرش پر

شبانگه به می رهنمونم شدی — سحرگاه طلبگارِ خونم شدی
تمنائے معشوق و باده نوش — تقاضائے بیهودهٔ مے فروش
چه گویم چو هنگامِ گفتن گزشت — ز عمرِ گرانمایه بر من گزشت
بسا روزگاران بدل داد گے — بسا نو بهاران به بی باد گے !
بسا روزِ باران و شبهائے ماه — که بود ست بی می بچشمم سیاه
افقها پر از ابرِ بهمن مهی — سفالینه جامِ من از می تهی !
بهاران و من در غمِ برگ و ساز — درِ خانه از بینوائی فراز
جهان از گل و لاله پر بوی و رنگ — من و حجره و دامنی زیرِ سنگ
دمِ عیش جز در نفس بسمل نبود — باندازهٔ خواهشِ دل نبود
اگر یافتم رشتهٔ گوهر شکست — دگر یافتم باده ساغر شکست
چه خواهی ز دلقِ می آلودِ من — ببین جیبِ خمیازه فرسودِ من
ز با چیز گویم بهارم گزشت — زمی بگذرم روزگارم گذشت
بنا سازگاری ز همسایگان — لبِ سرمایه جوی ز بیمایگان
سرا از منتِ ناکسان زیرِ خاک — لب از خاک بوسِ خسان چاک چاک
بگیتی درم بے نوا داشتے ! — دلم را اسیرِ هوا داشتے !
نه بخشنده شاهی که بارم دهد — بهر بار زر پیل بارم دهد
که چون پیل زانجا برانگیزمے — زرش بر گدایان فرو ریزمے
نه نازک نگاری که نازش کشم — بهر بوسه زلفِ درازش کشم
چه زان غمزه نیشی بدل میخورد — رگِ جان غم نوکِ نشتر خورد !
بدان عمرِ ناخوش که من داشتم — ز بالینِ خار در پیرهن داشتم !
چو دل زین بو سها بجوش آمدی — ز دل بانگِ خرّم بگوش آمدی !

تو شب کو جو ہے تک ہجر راہنما
سحر کو طلب گار خوں ہو گیا

جو چاہا ہو معشوقۂ بادہ نوش
ملی ذلتِ قرضۂ مے فروش

کہوں کیا کہ کہنے کا وقت اب گیا
مجھے عمر بھر جھیلنا کیا پڑا

تھے ایسے بھی دن اور شب ہائے ماہ
کہ بن مے مری آنکھ میں تھے سیاہ

افق ابرِ بہمن سے بھرپور تھا
مگر پیالہ خالی پڑا تھا مرا

بہاروں میں بھی تھا غمِ برگ و ساز
رہا بے نوائی میں در میرا بازا

جہاں لالہ و گل سے پُر رنگ و بو
میں حجرے میں تھا سر بزانو لغو !

دمِ عیش جز رقصِ بسمل نہ تھا
باندازۂ خواہشِ دل نہ تھا

مرا ٹوٹا گھر جو تا گا رہا
میرا پیالہ ٹوٹا جو بادہ رہا

مے آلود گدڑی میں میری ہے کیا
چھپا پیرہن میں ہے تن خار سا

مرے رونے دھونے میں گزری بہار
ملی جب نہ مے مر مٹا خوار و زار

میں نادار ہمسایوں سے ہی سدا
سوالِ زر و مال کرتا رہا

میں ممنونِ مفلس تھا سر زیرِ خاک
ہوا خاک بوسی سے لب چاک چاک

مجھے جس نے رکھا یہاں بے نوا
کیا میرے دل کو اسیرِ ہوا !

نہ سلطانِ فیاض تک مجھ کو بار
جو ہر بار زر رفیل کرتا نثار

کہ جب فیلِ نذر دے سکے ہوتا دل
میں زر بانٹ دیتا گداؤں کو واں

نہ قسمت میں نازک نگاروں کے ناز
نہ بو سو نہ شانہ بہ زلفِ دراز

جب اس غمزے کا تیر دل پر چلے
رگِ جاں پہ غم نوکِ نشتر بنے

مری عمرِ ناخوش کا یہ حال تھا
چھپا پیرہن میں تھا تن خار سا

جو یہ خواہشیں دل میں ہوں موجزن
ہو دل خون کے جوش سے نعرہ زن

جو دل میں ہوں اب بھی طوفاں بپا
صدا خونِ دل کی بھی کانوں میں آئے

وہ طوفاں اب تک ہے دل میں بپا
صدا خونِ دل کی ہے نغمہ سرا

هنوزم همان دل بجوش اندر است　ز دل بانگ خونم بگوش اندر است
چو آن نامرادے بیاد آیدم　بغم خوردنش هم دل نیاسایدم
دلی را که کمتر شکیبد بباغ　در آتش چه سوزی بسوزنده داغ
صبوحی خورم گر شراب طهور　کجا ژاله صبح و جام بلور!
دم شبر و هیهای مستانه کو　هنگامه غوغائے مستانه کو
در ان پاک میخانه بے خروش　چه گنجائش شورش نای و نوش
سیه مستی ابر و باران کجا　خزان چون نباشد بهاران کجا
اگر حور در دل خیالش که چه　غم هجر و ذوق وصالش که چه
چه منت نهد ناشناسا نگار　چه لذت دهد وصل بے انتظار
گریزد دم بوسه ایمنش کجا　فریبد بسوگند دینش کجا
برد حکم و نبود لبش تلخ گوی　دهد کام و نبود دلش کامجوی
نظربازی و ذوق دیدار کو　بفردوس روزن بدیوار کو
نه چشم آرزومند دلاله　نه دل تشنه ماه پرکاله
ازینها که پیوسته میخواست دل　هنوزم همان حسرت آلاست دل
چو پرسش رگی را بکاود ز دل　دو صد دجله خونم تراود ز دل
بهر جرم کز روی دفتر رسد　ز من حسرتے در برابر رسد
بفرمائے کاین داوری چون بود　که از جرم من حسرت افزون بود
هر آئینه هیچون منے را به بند　تلافی فزا جور بود نے گزند
بدین مویه در روز امید و بیم　بگویم بدانسان که عرش عظیم
شود از تو سیلاب را چاره جوی　تو بخشی بدان گریه ام آبروی!
دگر خون حسرت هدر کرده!　ز یادافرش قطع نظر کرده
گذشتم ز حسرت امیدم بهست　سپیداب روی سپیدیم بست

جو وہ نامرادی مجھے یاد آئے

ملے صبح کو گر شرابِ طہور
نہ راتوں کی مستانہ آوارگی
یہ ہے پاک میخانۂ بے فروش
سبوئے مستیٔ ابرِ باراں کہاں
میں کیا حور کا لاؤں دل میں خیال
نہ دے لطف/ناآشنا سا نگار
گریزاں دمِ بوسہ ہو وہ کہاں
جو ہر بات مانے نہ ہو تلخ گو!
کہاں ذوقِ دید اور نظر بازیاں
نہ آنکھ آرزومندِ دلآرائی
یہی آرزوئیں تھیں دل میں مدام
رگِ دل کو پرسش سے چھیڑیں جو ہاں
وہ جوں جوں جرائم کی پرسش کریں
ہو لی داوری اے خدا تیری لب
تیرے لب میں پھول اللہ کے زیرِ بند
یونہی آئے جب روزِ امید و بیم
تجھی سے ہو جائے گا خود چارہ جو
کسے خونِ حسرت کو تو گر ہدر
میں حسرت سے گزرا، مجھے ہے امید

تو فردوس بھی میرے دل کو نہ بھائے

کہاں پرورشِ صبح اور جامِ بلور
نہ مستی میں غوغائے نغمہ گری
یہاں کب بھلا شورشِ نادِ نوش
بہاریں کہاں ہوں نہ ہو جب خزاں
غمِ ہجر اس کا نہ ذوقِ وصال
ہو کیا لذتِ وصل بے انتظار
فریبِ قسم دے سکے نہ یہاں
ہے بیکار محبوب بے آرزو
ہے دیوارِ جنت میں روزن کہاں
نہ دل تشنۂ آہ پرکالۂ !
کیا حسرتوں نے جہاں اب مقام
دو صد دجلہ خوں ہو گا دل سے رواں
فزوں تر ہوں دل میں مری حسرتیں
بڑھیں حشر میں ہی جرائم سے جب
تلافی مراحل ہے - دے مست گزند
میں رووں گا اتنا کہ عرشِ عظیم
تو بھیگے گا رونے ہی سے آبرو
تو نی سے بھی گر ہے قطعِ نظر
مری آبرو ہے یہ روئے سپید

که البته این رندِ ناپارسا ! کج اندیشه گبرِ مسلمان نما

پرستارِ فرخنده منشورِ تست هوادارِ فرزانه دستورِ تست

به بند امید استواری فرست

به غالب خطِ رستگاری فرست

۱ کہ البتہ یہ رندِ ناپارسا — یہ کج فہم کافر مسلماں نما
پرستار ہے تیرے فرشور[1] کا — یہ ہے خیر خواہ تیرے وخشور[2] کا

تو بندِ امید اس کا کر استوار
رہا کر دے غالب کو پروردگار

---

[1] فرشور سے مراد اسلام اور احکامِ شرع ہیں
[2] وخشور کے معنی پیغمبر، رسول اور نبی کے ہیں

انتخاب
از
مغنّی نامہ

عقل و خرد کے بارے میں

مثنوی مغنی نامہ سے ماخوذ

سخن گرچہ گنجینۂ گوہرست — خرد را ولی تابشی دیگرست

ہمانا بشبہاے چوں پرِ زاغ — نہ بینی گہر جز بروشن چراغ

بپیرائشِ این کہن کارگاہ — بدانش تواں داشت آئین نگاہ

بود بستگی را کشاد از خرد — سرِ مرد خالے مباد از خرد

خرد چشمۂ زندگانی بود — خرد را بہ پیری جوانی بود

فروغِ سحرگاہِ روحانیان — چراغِ شبستانِ یونانیاں

٢

تحقیق نمودارِ ہستی گرائے — خرد بود کامد سیاہی زدائے

بہ پیمانہ ہاے نظر نورِ پاک — نمودند قسمت براجزاے خاک

عقل و خرد کے بارے میں

مثنوی مغنّی نامہ سے ماخوذ

(۱)

سخن ہے خزانہ گہر کا مگر
خرد رکھتی ہے آب و تابِ دگر

جو ہو ظلمتِ شب سیاہ مثلِ زاغ
گہر دیکھنے کو ہو لازم چراغ

مزیّن نہ ہو یہ کہن کارگاہ!
نہ دانش کی جبتک کہ ہو دستگاہ

ہے ہر قفل کی عقل و دانش کلید
نہیں بے خرد کوئی انساں سعید!

خرد چشمۂ زندگی کا ہے آب
خرد پر بڑھاپے میں آئے شباب[۱]

یہ دہقانیوں کی سحر کا فراغ
یہ یونانیوں کی ہے شب کا چراغ

۲

جو شے پہلے[۲] دنیا میں پیدا ہوئی
خرد تھی جو ظلمت میں مشعل اٹھی

نظر سے بکھیرا گیا نورِ پاک
منوّر ہوئے جس سے اجزائے پاک

۱؎ انسان ہر تجربہ کے ساتھ زیادہ عقلمند ہوتا جاتا ہے ۲؎ اس مضمون کی ایک حدیث شیخ سعدی نے بھی بیان کی ہے اوّل ما خلق اللہ العقل (کلیات سعدی صفحہ ۲۰ مطبوعہ تہران شمسی ۱۳۳۸ھ)
ترجمہ۔ خدا نے سب سے پہلے عقل پیدا کیا

ز ہر ذرہ کاں آفتابے شود | نگہ سرخوشِ کامیابی شود
ہنوزم در آئینۂ رنگ بست | خیالی ازاں عالمِ نور ہست
کہ بینے بتاریکئ روزِ من | فروزاں سوادِ دل افروزِ من
کفِ خاکِ من زاں ضیا گستر است | کہ چوں ریگِ رخشاں بانجم گریست

۳

کسی کو دم از روشنائی زند | بخود فالِ دانش ستائی زند
دریں پردہ خود را ستائشگر است | کہ دانندہ مردم کہ دانشور است
خرد جویم ار خود بود مرگِ من | بہ ہستی خرد بس بود برگِ من

۴

سخن گرچہ پیغامِ راز آورد | سرود ارچہ در اہتزاز آورد
خرد داند ایں گوہریں در گشاد | ز مغزِ سخن گنجِ گوہر کشاد
خرد داند آں پردہ بر ساز بست | براہش طلسمے ز آواز بست
بدانش تواں پاسِ دم داشتن | شمارِ خرامِ قلم داشتن

چمک اٹھا ہر ذرہ جوں آفتاب — نگاہ بن گئی سرخوش و کامیاب!
مرا شیشہ رنگیں دکھلائے ہنوز — وہی عکس اور نور عالم فروز
سیاہ بختیوں میں بھی دیکھو مجھے — کہ روشن ہے دل جو مجھے زخش رکھے
مری خاک میں وہ ضیا گستری — کرے ریگ رخشاں سے انجم گری

(۳)

کوئی شخص جو عقل کا دم بھرے — تعلق وہ دانش سے قائم کرے
وہ اس پردے میں خود ستائی کرے — جو اس کی سنے اسکو عاقل کہے
میں دانش کا طالب ہوں تو آ، ہو مرگ — ہے دنیا میں میرا بھی ساز و برگ

(۴)

سخن گرچہ لاتا ہے پیغام راز — سے لاتے ہیں گو وجد اور اہتزاز
مگر عقل ڈھونڈے جواہر کا در — نکالے سخن سے وہ گنج گہر
خرد ساز پر آپ پردے لگائے — صدا سے یہ نغمے نکالا جائے
خرد کو ہے انفاس دم کا شمار — وہ جانے خرام قلم کا شمار

ازین باده هر کس که سرمست تر
بافشاندنِ گنج تر دست تر

بمستی خرد در رهائے خود ست
رود گر ز خود هم بجائے خود ست

درین حلقه او باش دیدار جوی
بدریوزهٔ[1] رنگ آورده روی

خرد کرده عنوانِ بینش درست
رقم سنجِ آفرینش درست

(۵)

فروغِ خرد فرّه ایزدیست
خداناشناسی ز نابخردیست

نظر آشنا روی دانائیش
عمل روشناس توانائیش !

ز اندیشه دم زد نظر نام یافت
بکردار رفت از اثر کام یافت

بچشم سبک سر ازو گوش تاب
گرانپائے خواهش ازو در حساب

چنان سطوتش را زبون خشم و آز
که فرمانِ او برده گرگ و گراز

[1] دریوزه یعنی دریوزه بهیک

مے عقل سے مست جو ہو گیا — وہ گنجِ معانی لٹانے لگا!
یہ مستی میں بھی ہے بخود رہا — بھٹک کر بھی پا لیتا ہے اپنی جا
میں اوباش سا حلقے میں آ گیا — فقط طالبِ رنگ تھا ظاہرا
خرد نے جو کی میری بخشش بجا — میں اسرارِ فطرت کا رسیا بنا

(۵)

فروغِ خرد سے جھلک ایزدی — خدا ناشناسی سے بے دانشی
نظر جانے دانش کی دانائی کو — عمل پائے اس کی توانائی کو
خرد ہو تفکر سے مل کر نظر — عمل میں جب آئے دکھائے اثر
کرے سرزنش چشمِ آوارہ کو — دکھائے یہ راہ حرصِ گم راہ کو
زبوں اس کی سطوت سے خشم اور آز — یہ طمع اس سے بن جائیں گرگ اور باز

له له یہاں دونوں جگہ پر عقل کے مست و بیخود ہونے کا ذکر ہے حالانکہ عام طور پر عقل کو سب سے دور خیال کیا جاتا ہے مگر غالب کہتا ہے کہ عقل میں نشہ ہے اور یہ مستی بھی مدد کرتا ہے [illegible]
ے عقل ہم عشق است واز ذوق نگہ بیگانہ نیست — لیکن این بیچارہ را آن جرأت رندانہ نیست
له نتیجہ کامیابی له غصہ له لالچ حرص له بھیڑیا له جنگلی [illegible]

باندازهٔ زور آزمائی کند　　　خورد باده و پارسائی کند

بدیں جنبش از مرگ بخشد نجات　　　بر اندیشہ پیماید آب حیات

منشہائے شائستہ عادت شود　　　نظر کیمیائے سعادت شود

ز دانش پدید آید آئین داد　　　رسی چوں بدیں پایہ نعم المعاد

برند از تو گر خود سرائیدگے　　　ندارد زبانی بپایندگے !

بگیر خوان من و از دل آزاد زی !

بدیں جاودانی روان شاد زی !

سلیقے سے زور آزمائی کرے
پیے مے مگر پارسائی کرے

ہلاکت سے دے آدمی کو نجات
ملائے تفکر میں آبِ حیات

جبلّت کو شائستہ عادت بنائے
نظر کیمیا سے سعادت بنائے

ہے عقل و دانش سے قانون داں
جو تو پائے یہ رتبہ نعم المعاد

تری خود ستائی بڑی ہے دلپسند
وگرنہ ہے صنعتِ زبانی زقند

بگو تو زرِ خالص، آزاد جی !

تو پا جانِ جاوید ! او رشد جی !

۱ [illegible]
۲ عدل و انصاف کا ضابطہ
۳ بہ اعتبار آخرت کا

غالب کی ایک اخلاقی کہانی

چناں داں کہ مردی بہ اسپی سوار
بہ دشتی رخ آوردہ بہرِ شکار

جگرخوارہ یوزیست ہمراہِ او
جگرخوارۂ یوزِ دلخواہِ او

کند گر باندیشہ رفتار ہا
نگہدارد اندازۂ کارہا

۱۷

غالبؔ کی ایک اخلاقی کہانی

ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر شکار کے لئے جنگل میں جا رہا ہے اس کے ساتھ شکاری کتے کی جگہ ایک خونخوار چیتا ہے اب اگر وہ شخص گھوڑے کی باگیں مضبوط ہاتھوں میں تھامے رکھے گا تو ایک طرف تو گھوڑا سرکشی کر کے ادھر بھاگ کود کر کے فضول اور نقصان دہ گھاس چرنے لگے گا اور نہ ہی دوسری طرف چیتا بے قابو ہو کر بے خیالی شکار کے پیچھے سنگلاخ زمین پر بھاگ دوڑ کر کے اپنے پنجے زخمی کر سکے گا اس طرح وہ شکاری شخص اپنے گھوڑے اور چیتے کو قابو میں رکھ کر ان کی مدد سے شکار کرنے میں کامیاب ہو سکے گا ورنہ گھوڑا فضول گھاس چر کر اپھارے کے مرض میں مبتلا ہو جائیگا اور چیتا زخمی ہو کر بیٹھ جائیگا۔ شکاری کو ناکام و نامراد گھر جانا پڑے گا۔ غالب یہاں حرص و ہوا کو اور غضب و غصے کو قابو میں لانے کی ہدایت کر رہا ہے۔

سمجھ لو کہ اک شخص ہے گھڑ سوار
وہ جنگل میں نکلا ہے بہرِ شکار

ہے خونخوار چیتا بھی زیرِ کمال
جگر خواری جس کی ہے حدِ کمال

نظر[1] ان کی رفتار پر ہو اگر!
رہیں کام کبھی سارے[2] ہی مدِ نظر

۱؎ اشارہ گھوڑے اور چیتے کی طرف ہے جن کی رفتار پر کنٹرول رکھنا شکاری کا کام ہے

۲؎ اصل کام اور مقصد تو شکار ہے مگر اس کے حصول کیلئے گھوڑے کو قابو رکھنا اور چیتے پر نظر رکھنا بھی دخلِ مقصد ہے

بگیرد سمندش رہِ توسنے — بود رام یوزش بصید افگنے
بہ نیروی مردی و غمخوارگے — ہمش یوز آسودہ ہم بارگے
چنیں کس بہ نیکو نہ رخشش دپلنگ — تواند کہ صیدی در آرد بچنگ !
دگر دشت پیما ہنر پیشہ نیست — شناسائے فرجام اندیشہ نیست
رہ انجام بیراہہ پوئی کند — دواندر روشش زشت خوئی کند
چرد در چراگاہ تا برگ و شاخ — رود در پے صید در سنگلاخ
بجوشد بسر مغز رخشش از تموز — بہ خارا شود سفتہ چنگالِ یوز
بسستی یکے گشتہ پولاد پای — زتندی یکے رفتہ پولاد خای
مرایں را ز پری شکم باد ناک — مرآں راز گرمی زباں چاک چاک
سوار اندریں ہرزہ گردی نژند — نہ رخشش براہ و نہ صیدش بہ بند
سواری کہ رخشش نہ فرمان برد — ندانم کہ بیچارہ چون جان برد

دکھائے گا گھوڑا نہ کچھ سرکشی — کرے گا ادھر چیتا صید افگنی

جو ہے ساتھ طاقت کے سوچ اور بچار — تو چیتا بھی آسودہ ہو ایک بار

جو یوں بس میں رکھے گا رخش و پلنگ — تو صید افگنی کی وہ جیتے کا جنگ

نہیں ہے شکاری ہنر مند گر ! — نہیں گر نظر اسکی انجام پر

تو بے راہ پوئی پہ آئیں گے وہ — دکھائیں گے بد خوئی دونوں ہی وہ

چراگہ میں گھوڑا چرے برگ و شاخ — پھرے چیتہ آوارہ سنگلاخ

سر رخش گرمی سے کھائے گا جوش — ادھر پنجہ چیتے کا کانٹوں کا نوش

یہ مستی میں دوڑے گا دیوانہ وار — وہ غصہ میں کھائیگا گرد و غبار

ادھر زخم سے گھوڑا ہوگا نڈھال — زباں چاک چیتے کی گرمی سے لال !

سوار ایسی آوارگی میں نژند* — نہ رستہ، نہ صیاد اس کے زیر کمند

جب اسوار کے گھوڑا بس میں نہیں — بچائے گا جاں کس طرح بالیقیں

* نژند: غمگین۔ سرنگوں۔ سرگشتہ و خوار

کائنات میں مقامِ بشر

ترکیبِ بند

پہلا بند

روشناسِ چرخ در جمعِ اسیرانش منم
نورِ چشمِ روزنِ دیوارِ زندانش منم

ثابت و سیارِ گردون را رصد بستم بعلم
رشتۂ تسبیحِ گوہرہائے غلطانش منم

نے ز دانش کامیاب و نے بسختی تنگ دل
شرمسارِ کوششِ برجیس و کیوانش منم

کعبہ پا من از مروّت عذر خواہِ پای کیش
وز ادب شرمندۂ خارِ مغیلانش منم

نوش چوں بادہ بلبم گیرد ادا فہمش نیم
نیش چوں مغزِ دلم کاود زباندانش منم

ماندہ ام تنہا بکنج از دورباشِ پاسِ وضع
نغمۂ دارم کہ پندارند دربانش منم

پایۂ من جز بچشمِ من نیاید در نظر
از بلندی اخترم روشن نیاید در نظر

کائنات میں مقامِ بشر

ترکیب بند

تیسرا بند

روشناسِ چرخ اسکے سب اسیروںؔ میں ہوئیں
چشمِ بینا روزنِ دیوارِ زنداں ہوئیں

علم سے میں ثابت و سیار کی باندھوں رصد
رشتۂ تسبیح گوہر ہائے پریشاں ہوئیں

مجھکو سمجھا چرخ بیچارہ تو کہلایا بخیل
زرِ خیالیں اسکے سامنے گنجِ پنہاں ہو گئیں

بے مروت! کعبہ مجھ سے عذر خواہِ زخمِ پا
اذنِ شرمندہ خود خارِ مغیلاں ہو گئیں

نوش سے لبریز ہو جب ماؤں نے میں اسکی ادا
نیش جب جیسے جگر نکتہ شناساں ہو گئیں

میں ہوں گوشے میں تنہا دورِ باشِ وضع سے
گھر میں ہوں پردگی نہیں پاسباں ہو گئیں

رتبہ میرا جز مری آنکھوں کے کب آئے نظر
دوریٔ اختر سے عاجز ہے یہ بینائے نظر

ف قافیہ کی رو سے اسیروں کی جگہ اسیراں درست تھا۔ قارئین اسیراں پڑھ لیں مگر خود اردو کے لحاظ سے اسیراں بھی کچھ اچھا نہیں لگتا۔

سیر و ستارهٔ و روشِ چرخِ نیلگوں　　این ہا کنند ہر آئینہ در مذہبِ حکیم
امّا من آں نیم کہ پسندم طریق وہم　　زِ ختر چہ پشکده چوں نبود جز خدا قسیم
نبود بجز ظہورِ صفات و شئونِ حق　　صلح و نبرد و فتح و شکست و امید و بیم
توقیعِ معنوی ست گر انصاف و گر ستم　　تشریفِ خسروی ست گر اطلس و گر گلیم

از حق بود افاضۂ ہستی بہر صفت
جز دایہ نبود آنچہ بہ سائل دہد کریم

بروزِ حشرِ الٰہی چوں نامۂ عملم　　کنند باز کہ آں روز باز خواہِ من است
کنی مقابلہ آں رازِ سرنوشتِ ازاں　　اگر زیادہ یا کم باشد آں گناہِ من است

گردش فلک کی ہو کہ روش ہو نجوم کی
سب کچھ یہی کرے یہ ہے مذہب حکیم

لیکن مجھے پسند نہیں یہ طریق ہم
اختر کا کیا اگر جو نہیں جز خدا قسیم

سب کچھ ظہور شانِ خدا اسکی سب صفت
یہ جنگ و صلح و فتح و شکست و امید و بیم

فرمانِ معنوی ہے جو ہے عدل یا ستم
خلعت ہے شاہی خواہ ہو اطلس ہو خواہ گلیم

ہر حال میں افاضۂ ہستی خدا سے ہے
ہر جا عطائے حق ہے جو سائل کو دے کریم

الٰہی حشر کے دن جب مرا عملنامہ
فرشتے کھولیں جو ہو ہو دہ باز خواہ مرا

تو سرنوشتِ ازل سے مقابلہ کیجیو!
کمی یا بیشی اگر نکلے تو گناہ مرا

۱۔ ریشم سلک وحریر لباس شاہی ۲۔ فقیر کی گدڑی کملی اون کی ۳۔ سخی آزی ۔ فیاض

غالبؔ

اور

فلسفۂ غم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بدانش غم آموزگار منست   خزانِ عزیزان بہارِ منست
غمے کز ازل در سرشت منست   بود دوزخ اما بہشتِ منست
بغم خوشدلم غمگسارم غمست   بہ بی دانشی پردہ دارم غمست
زمن جوی در بدنگو زیستن   جگر خوردن و تازہ رو زیستن

درشتی بہ نرمی زبون داشتن   رسد گر ستم غمزہ پنداشتن
بعجز از درون سو جگر سوختن   بہ ناز از برون سو رخ افروختن
بہنگامہ نیرنگِ ساز آمدن   ز خود رفتن و زود باز آمدن
ز دل خار خارِ غم انگیختن   خسک در گذارِ نفس ریختن
سمن چیدن و در رہ انداختن   دل افشردن و در چاہ انداختن

بدریوزہ گنجینہ اندوختن   ببازیچہ دانائی آموختن

طرب را بہ میخانہ گردن زدن   طرب خانہ را قفلِ آہن زدن
روان کردن از چشم ہموارہ خون   بشورابہ شستن ز رخسارہ خون
برفتن سر از پائے نشناختن   بماندن تن از جای نشناختن
شگفتن ز داغے کہ بر دل بود   نہفتن شرارے کہ در دل بود
بدین جادہ کاندیشہ بیہودہ است   غمم خضرِ راہِ سخن بودہ است

ہے استادِ دانش دلِ غم فگار !

خزاں دوسروں کو مجھے غم بہار

ازل سے ہوا غم رفیقِ سرشت — اگرچہ ہے دوزخ، مجھے ہے بہشت

میں غم سے ہوں خوشدل کہ ہے غمگسار — یہ نادانیوں میں مرا پردہ دار

برے حال میں سیکھئے نیک خو — میں خونِ جگر پی کے ہوں تازہ رُو

برے حال میں خوش ہوں اور نیک خو — میں خونِ جگر پی کے بھی تازہ رُو

میں سختی کو نرمی سے کرتا ہوں زیر — ستم کو سمجھتا ہوں غمزہ دلیر

میں اندر سے عاجز ہوں خستہ جگر — رُخ افروختہ ناز سے ہوں مگر

مرا سازِ نغمہ کے مانند کام — کبھی زیر ہے گم، گاہے بالائے بام

مرے دل میں غم کے ہیں کانٹے ہزار — مرے سانس میں پھانس خس بے شمار

سمن چن کے کرتا ہوں راہ میں نثار — چھپاتا ہوں دل ہی میں دل کا فشار

سمن چن کے میں راہ میں ڈال دوں — جگر خوں ہو تو چاہ میں ڈال دوں

کروں جمع گنجینۂ دریوزہ سے — سکھا دل میں دانائی بازیچہ[1] سے

جمع گنج کرتا ہوں دریوزہ سے — سکھاتا ہوں دانائی بازیچہ سے

طرب کا گلا کاٹوں میخانے میں — کروں قفل آہن طرب خانے میں

رواں چشم سے خون پیہم رہے — کروں زمزمے سے خوں صاف شور اُٹھے

سفر میں نہیں پاؤں سے سر کا فرق — حضر میں نہیں فرش سے تن کا فرق

کھلوں پھول سا دل کے ہر داغ سے — سرِ رہ گر اُٹھے تو دبا دوں اسے

یہ رستہ نیا فکر نے جو لیا — بنا خضرِ راہ شعر میں غم مرا

[1] کھلونوں کے ذریعے تعلیم دینا آجکل عام ہے۔ [2] آنسو کے نمکین ہونے کے ساتھ

نظامی نیم کز خضر در خیال
بیاموزم آیین سحر حلال

زلالی نیم کز نظامی بخواب
بگلزار دانش برم جوی آب

نظامی گر شد تاز تابم کجا
زلالی بود خفته خوابم کجا؟

مرا اینکه در من اثر کرده غم
بمرگ طرب مویه گر کرده غم

نظامی بحرف از سروش آمده
زلالی از او در خروش آمده

من از خویشتن با دل دردمند
نوای غزل بر کشیده بلند

غزل ها چو از من نوایی رسید
ز والا پسیچی بجایی رسید

گرم گفت کاین خسروانی سرود
سرود رهی زد بر من آید فرود

نباشم گر از گنجم بس است
بنظم گر چنین پرده سنجم بس است

کنونم لب شور گفتار نیست
بساز غزل زخمه بر تار نیست

شعر ار چه گشته ستیمیم [?]
بدین برد خود را فریبم

گهی کش بجامی بود دل به بد
بافسانه بختی گساند گزند

کسی را بکه با غم شمارے بود
روا باشد ار غمگسارے بود

که بر خستگی چاره جوئی کند
بغم خواری افسانه گوئی کند

چه میرد بلاّن مرده نالد هم او
سرانجام کارش سگالد هم او

مرا بین که چون مشکل افتاده است
چه خونهاست کز درد دل افتاده است

خود از هوا بیتابے و خود چاره جوی
خود آشفته مغز و خود افسانه گوی

به تنهائی از همدمان خودم
بدل مردگی نوحه خوان خودم

نہیں مجھ میں خسروؔ و فغانیؔ کی چال | کہ میں سیکھتا جس سے سحرِ جلال

زلالیؔ نظامیؔ سے ملے وقتِ خواب | تو دانش کے باغوں میں لے آئے آب

خوشامد نظامیؔ کی مجھ میں ہے کب؟ | زلالیؔ تھا سویا، مجھے نیند کب؟

اٹھاتا تھا وہ نالہ، کب مجھ میں تاب | یہ سوتا تھا کب مجھ میں نیند اور خواب!

مگر مجھ کو تاثیرِ غم سے ہے اہم | جو مرگِ طرب کے لیے ماتم میں غم

نظامیؔ نے سیکھی ملائک سے بات | زلالیؔ نظامیؔ سے لایا برات

مگر میں نے دل سے کہ تھا دردمند | اٹھائی غزل کی نوائے بلند

غزل کو جو مجھ سے یہ رتبہ ملا | عروج اس کا مجھ سے یہاں تک بڑھا

عجب کیا کہ وہ نغمۂ خسروی | بنا وحی اور مجھ پہ اُترا وہی

نہیں گنجوی، میں ہوں گنجِ سخن | یہ بس ہے کہ میں غم میں ہوں پردہ سنج

نہیں شورِ گفتار سر میں جو اب | غزل کا نہیں ساز و سامان جب

کہاں شاعری میں بھی مجھ کو شکیب | مگر اس سے دیتا ہوں دل کو فریب

جیسے دل پہ پتھر سے آئے قرار | کرے دور افسانہ سے انتظار

پڑے غم سے پالا جیسے زینہار | تو لازم ہے اس کے لیے غمگسار

جو دردِ زندگی میں بنے چارہ ساز | جو افسانہ گوئی سے ہو غم گداز

مرے جب تو مُردے پہ نوحہ کرے | سرانجام اس کا وہ سب کچھ کرے

مجھے دیکھو مشکل میں ہوں مبتلا | مرے دل میں غم پہ ہے غم اک سوا

میں خود دردمند خود چارہ جو | خود آشفتہ اور خود ہی افسانہ گو

میں تنہا ہوں اب کوئی ہمدم کہاں؟ | دلِ مُردہ پر آپ ہوں نوحہ کناں؟

کسم در سخن کارفرمائی نیست   به بخشندگی همت افزائی نیست
چه گوید زبان آورِ بے نوا   چه آید ز بیسلاح بے کر نداء
شبی کایں ورق را گشودم نورد   به پرکارِ اندیشهٔ تیز گرد
شب از تیرگی اہرمن روی بود   ز سودا جہاں اہرمن خوے بود
بخلوت ز تاریکیم دم گرفت   نشاطِ سخن صورتِ غم گرفت
درآں کنج تار و شبِ ہولناک   چراغے طلب کردم از جانِ پاک
چراغے که باشد ز پروانه دور   چراغے که بادا ز ہر خانه دور
نه بینی نشانے ز روغن درو   کند شعله بر خویش شیون درو
چراغے که بے روغن افروختم   دلی بود کز تابِ غم سوختم
ز نیرنگِ غم آمد دل افروزِ من   چراغ شب و اخترِ روزِ من
نشاید که من شکوه سنجم ز غم   خرد رنجد از من چو رنجم ز غم
غمم دل ز من مرحبا جوش باد   دلم زار و لب مرحبا گوی باد

دلم رنجه غالب بغم شاد باد
بدیں کنجِ ویرانه آباد باد

نہیں شعر میں کارفرما کوئی![1] ۔۔۔ نہ ہمت فزائی کو دانا کوئی!
کہے کیا زباں آورِ بے نوا ۔۔۔ بھلا بہرے گونگے کی کیا ہو ندا
جو شب کو ورق میں نے کھولا ذرا ۔۔۔ تو پرکارِ اندیشہ میں گل کھلا
مجھے ظلمتِ شب تھی دہشت فزا ۔۔۔ جہاں گویا اک دیوِ شیطاں نما
گھٹا ظلمتوں میں مرا دم جبھی ۔۔۔ نشاطِ سخن صورتِ غم بنی
ہُوا گوشۂ تار یوں ہولناک ۔۔۔ میں چیخا کہ دے روشنی اجانِ پاک
چراغ ایسا پروانے سے ہو جو دُور ۔۔۔ ہر آباد گھر سے بھی جو کہ ہو دور
نہ اس میں ہو روغن کا نام و نشاں ۔۔۔ جلے اس میں شیون ہی خود شعلہ ساں
سو بن تیل میں نے جلایا چراغ! ۔۔۔ مرا دل ہی تھا جل رہا داغ داغ
دل افروز غم خود خدا نے دیا! ۔۔۔ جو شب کو شمع، دن کو اختر بنا
نہ غم کا مجھے شکوہ کچھ زیب دے ۔۔۔ خرد رُو بٹھے گر روٹھوں میں کنج سے
سدا مجھ سے غم مرحبا جو رہے ۔۔۔ یہ دل زار، لب مرحبا گو رہے

یہ دل مثلِ غالبؔ بغم شاد ہو!
اسی کنجِ ویراں میں آباد ہو!

---

[1] شعر و شاعری میں بلا شرکتِ غیرے عظمت حاصل کر کے ایک طرف غالبؔ اپنے ذاتی کمال کا لوہا منوانا چاہتا ہے۔ اور دوسری طرف نظامیؔ اور زلالیؔ پر در پردہ چوٹ کر رہا ہے۔ کیونکہ نظامیؔ نے بقول خود حضرت خضر سے یہ جادو سیکھا تھا جس کو وہ سحر حلال کہہ کر جائز ثابت کر رہا تھا مگر غالبؔ اپنے کار خودی میں غیر کی شرکت کو شریعتِ خودی کی رُو سے حرام قرار دیتا ہے۔ ۔۔۔ (صفحہ ۸۲ پر)

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی
(غالب)

غالباً مرزا اپنے دل میں نظامی کے اس دعوے کو بھی من گھڑت اور فرضی خیال کرتا ہے کہ اس نے جناب خضر سے فنِ شعر سیکھا ہوگا اور اس بات کو بھی وہ بعید از حقیقت سمجھتا ہے کہ آگے چل کر نلالی بھی نظامی سے خواب میں شاعری کی برتے پہ لایا تھا۔ ان افسانہ طرازیوں کے مقابلے میں غالب کہتا ہے کہ یونانیوں اور ہندوؤں کی طرح دیوی دیوتاؤں اور ماورائی طاقتوں کا جھوٹا بہانہ بنانے کی بجائے اپنے دل کی بات صاف صاف کہہ دینی چاہیئے کہ ہر انسان کو فطرتاً کچھ قابلیتیں اور توفیق ودیعت ہوتی ہیں جن کو صیقل کرنا اور بروئے کار لانا اس کے فرائض میں شامل ہے۔ ان داخلی اوصاف کے اظہار کو وہ خود نمائی کہتا ہے اور اس خود نمائی کو وہ خداشناسی کہتا ہے جیسا کہ کلیاتِ غالب کی اولین نظم میں مرزا نے کہا اور جس پر ہم نے مختصر سا وضاحتی اشارہ بھی کر دیا تھا۔ یاد تازہ کرنے کی غرض سے وہ شعر پھر ملاحظہ فرمایئے:

ناتوانی قوی اساس بہانہ ست
خود نمائی خداشناسی است!

یعنی ـــ ناتوانی قوی اساسی ہے
خود نمائی خداشناسی ہے

— ❖ —

اس فارسی غزل کا اردو منظوم ترجمہ صفحہ ۹۶ پر گذر چکا ہے
یہ غالب کی آخری غزل ہے (بلحاظ عمر)

عجب کہ مژدہ دہان رو بہ سوئے ما آرند
کدام مژدہ کہ آرند و از کجا آرند!

ز دوستاں چو نہ خوشنا دریں ہنگام
کہ دایہ بہر گدائی شکستہ پا آرند

ز غم چناں شدہ ام منفعل کہ اعدا را
ستود کہ گنج گہر بہر رونما آرند

نہ رونمی خواستن از حق بود چرا آں را
کہ حیلہ داری عاشقش عجب آرند

نہ بے رضائے خدا کار ہا رواں گردد
سپہر و انجم اگر غایت مدعا آرند!

نماند ساز مرا ہیچ نغمہ بے تمثال
جز آں کہ بر شکستہ اش چہ در نوا آرند

نخست عمر دگر تا بدان آرند خدا غالب
گر نوید پذیرائی دعا آرند ! !

بے گناہ بود دعویٔ وجود از ما بہ اہلِ راز چنیں گوی تا عجب گویند

دگر ملامتیاں را چہ زہرۂ پاسخ اگر بہ خشم گرایند و ناسزا گویند

نہ کردہ زر مسِ خود را دبہرِ عرضِ فریب بہ پیشِ خلق حکایت ز کیمیا گویند

کسانکہ عوی نیکی ہمی کنند مرا اگر نہ نیک شمارند بد چرا گویند

طمع مدار کہ یابی خطابِ مولانا بس است ہمچو توئے را کہ پارسا گویند

بگوی مردہ کہ در دہر کارِ غالبِ زار
ازاں گذشت کہ درویش و بینوا گویند!

اِس فارسی غزل کا اردو منظوم ترجمہ صفحہ ۹۹ پر گذر چکا ہے
یہ کلیاتِ غالب کی آخری غزل ہے (بلحاظ ردیف)

از جسم بہ جاں نقاب تا کے — ایں گنج دریں خراب تا کے

ایں گوہرِ پُر فروغ یارب — آلودۂ خاک و آب تا کے

ایں راہروِ مسالکِ قدس — وا ماندۂ خورد و خواب تا کے

بنیادِ برق جز دمے نیست — ما و ہوس بہ اضطراب تا کے

جاں در طلبِ نجات تا چند — دل در تعبِ عتاب تا کے

پرسش ز تو بے حساب باید — غمہای مرا حساب تا کے

غالب بہ چنیں کشاکش اندر
یا حضرتِ بُوتراب، تا کے

اس فارسی غزل کا اردو منظوم ترجمہ صفحہ ۱۰۰ پر گذر چکا ہے

ہم انا اللہ خواں درختے را بہ گفتار آورد
ہم انا الحق گوی مردے را سردار آورد

اے کہ پنداری کہ ناچارست گردوں در روش
نیست ناچار آنکہ گردوں را بہ رفتار آورد

نکتۂ داریم و با یاراں ہمی گوئیم فاش !
طالبِ دیدار باید تابِ دیدار آورد

دانہ ہا چوں ریزد از تسبیح تارے بیش نیست
ایں مشعبد دیرگاہ از سبحہ زنار آورد

جذبِ شوقش بیں کہ در ہنگام برگشتن ز دیر
در قفائے خویشتن بت را بہ رفتار آورد

آں کند قطعِ بیاباں ایں شگافد مغزِ کوہ
عشق ہر یک را بہ طرزِ خاص در کار آورد

آہ مارا بیں کہ نارد از دلِ سختش خبر
باد را نازم کہ ابر از سوی کہسار آورد

نزدِ ما حیف است گو نزدِ زلیخا میل باش
جذبۂ کز چاہ یوسفؑ را بہ بازار آورد

ہر نارے را کہ افشاریم از وے خوں چکد
ہر نہالے را کہ بنشانیم دل بار آورد

نیست چوں در منطقش جز ذکرِ شاہد حرف و صوت
شاہدے باید کہ غالب را بہ گفتار آورد

اس فارسی غزل کا اردو منظوم ترجمہ صفحہ ۱۰۱ پر گذر چکا ہے

جز دُردِ غم ز بادہ نبودست کامِ ما
گوئی چراغِ روزِ سیاہ است جامِ ما

در خلوتش گذر نبود باد را، مگر ! !
صرصرِ خاکِ راہ رساند پیامِ ما

اے بادِ صبح عطرے ازاں پیرہن بیار
تسکیں ز بوئے گل نہ پذیرد مشامِ ما

ہر بار دانہ بہرِ ہما افگنیم و مرغ
آید بہ دام و دانہ رباید ز دامِ ما

گفتی چو حالِ دل شنود مہرباں شود
مشکل کہ پیشِ دوست تواں برد نامِ ما

از ما بہ ما پیام وہم از ما بہ ما سلام
رنج دلے مباد پیام و سلامِ ما

مقصودِ ما ز دہر ہر آئینہ نیستی ست
یارب کہ ہیچ دوست مبادا بہ کامِ ما

غالب، بہ قولِ حضرتِ حافظ ز فیضِ عشق
"ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما"